ہمارے بزرگ

(حصہ دوم)

فقہ کے چار مشہور اماموں کا حال

مائل خیرآبادیؒ

فقہ کے چار امام

اس کتاب میں ہمارے ان چار بزرگوں کا حال بیان ہوا ہے، جو فقہ کے مانے ہوئے امام ہیں۔ انھوں نے عام مسلمانوں کے لیے قرآن وحدیث سے وہ تمام مسائل نکالے، جن کی ضرورت زندگی میں قدم قدم پر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان چاروں بزرگوں سے یہ اتنا بڑا کام لیا کہ ہمیں ایک طرف اللہ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے اور دوسری طرف اپنے ان بزرگوں کے لیے دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کے مرتبے بلند کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(مائل خیرآبادی)

ترتیب

	صفحہ نمبر
۱- امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۵
۲- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	۲۲
۳- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶
۴- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام اعظم
حضرت ابو حنیفہؒ

حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے بہت بڑے امام ہوئے ہیں ان سے پہلے مسلمانوں کے لیے فقہ کی کوئی ایسی کتاب نہیں تھی، جس سے عام مسلمان حرام اور حلال، جائز اور ناجائز اور کسی چیز کے فرض ہونے کی بات معلوم کر سکتے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلمانوں پر یہ احسان ہے کہ انھوں نے قرآن اور حدیث سے فقہ کے مسئلے نکالے، انھیں قاعدے سے ترتیب دیا اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی کتاب دے دی کہ اب ہر مسلمان آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے کہ اسلام میں حرام کیا ہے، حلال کیا ہے، فرض کیا ہے اور نفل کیا ہے؟ وغیرہ۔ اس کی طرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیسے جھکے اور انھوں نے یہ کام کس طرح کیا؟ یہ ایک ایسی کہانی ہے، جو دل چسپ بھی ہے اور اس سے بڑی نصیحتیں ملتی ہیں، آپ بھی سنیے۔

ایک تھے سوداگر صاحب۔ ان کا نام تھا ثابت، کوفہ کے رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بڑا سمجھ دار بیٹا دیا تھا۔ آپ نے بیٹے کا نام ''نعمان'' رکھا۔ یہی نعمان میاں پڑھ لکھ کر اور دین کی تعلیم حاصل کر کے فقہ کے بہت بڑے امام مانے گئے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ انھی امام صاحب کے حالات آج ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ذرا بڑے ہوئے تو باپ نے گھر ہی پر

آپ کو کچھ پڑھایا لکھایا۔ امام صاحب ١٦ برس کی عمر تک گھر پر ہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس وقت کوفہ میں بہت بڑے بڑے مدرسے قائم تھے اور شہر میں بڑے بڑے عالم اور امام موجود تھے لیکن ثابت نے بیٹے کو کسی مدرسے میں داخل نہیں کیا اور نہ کسی عالم یا امام کے گھر پڑھنے بھیجا۔ بس گھر پر ہی پڑھاتے رہے۔ پڑھنے لکھنے سے جو وقت بچتا اس میں تجارت کے گر سمجھاتے اور اس کا طریقہ سکھاتے رہے۔ جب امام صاحب سولہ برس کے ہوئے تو باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت امام صاحب دوکان داری اور تجارت کے طریقے سیکھ چکے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد آپ نے دوکان کا کام سنبھال لیا۔ پھر تھوڑے ہی دنوں میں روزگار کو خوب ترقی دی۔ آپ نے دوکان کے ساتھ کپڑا بننے کا ایک کارخانہ بھی چالو کیا۔ اس کارخانے میں بہت عمدہ کپڑا بنا جاتا تھا، جو دور دور جاتا تھا اور لوگ اسے بڑے شوق سے خریدتے تھے۔

دو تین برس کے بعد جب آپ کی عمر انیس سال کی ہوئی تو ایک دن کسی سوداگر کے پاس جا رہے تھے راستے میں کوفہ کے مشہور امام علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ ملے۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔ علامہ صاحب نے سلام کا جواب دیا اور کھڑے ہو گئے۔ آپ کو دیکھا پھر پوچھا "کہاں جا رہے ہو بیٹے!" بتایا ایک سوداگر کے پاس جا رہا ہوں۔ یہ سن کر علامہ صاحب بولے "بھئی میرا مطلب یہ تھا کہ تم کس کے پاس پڑھنے جا رہے ہو۔؟" علامہ صاحب کی اس بات سے امام ابوحنیفہؒ شرما گئے پھر عرض کیا کہ "حضرت! میں کسی سے نہیں پڑھتا ہوں۔"

علامہ صاحب کو یہ معلوم ہوا تو بڑی محبت سے کہنے لگے "تم مجھ کو بہت سمجھ دار معلوم ہوتے ہو۔ عالموں کے پاس بیٹھا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو عزت دے گا۔" امام صاحب پر علامہ صاحب کی نصیحت کا بڑا اثر ہوا۔ پھر وہ سوداگر کی دوکان پر نہیں گئے۔ وہیں سے گھر لوٹ گئے۔ ماں زندہ تھیں۔ وہ بڑی دین دار تھیں۔ ان سے سارا حال کہا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ بولیں "بیٹا! تمھیں ضرور علم دین حاصل کرنا چاہیے۔" ماں سے اجازت لے کر وہ علامہ حماد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے۔ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے سب سے بڑے مدرسے کو چلا رہے تھے۔ انھوں نے حضرت ابوحنیفہؒ کو مدرسے میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اب آپ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ سے

سبق لیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی سمجھ دی تھی۔ آپ کا حافظہ (یاد) بھی بہت اچھا تھا، جو سنتے بڑے دھیان سے سنتے، اسے یاد رکھتے۔ اس طرح محنت اور دھیان کے ساتھ پڑھنے سے دو ہی برس میں سارے طالب علموں سے آگے ہوگئے۔ آپ کی محنت سے حماد رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے۔ امام ابوحنیفہ نے اتنا ہی نہیں کیا کہ اسی اسکول میں پڑھتے رہے بلکہ ایک محنت اور کی۔ کوفہ کے بڑے بڑے عالموں اور اماموں کی خدمت میں جاتے رہے۔ مدرسے کے وقت کے علاوہ آپ کبھی امام شعبی کی خدمت میں چلے جاتے کبھی امام ابواسحاق کے پاس جا بیٹھتے اور کبھی حضرت ہشام بن عروہ سے جا کر پڑھتے۔ اسی طرح دوسرے عالموں سے بھی علم حاصل کرتے رہے۔ دو تین برس میں امام ابوحنیفہ سارے کوفہ میں مشہور ہوگئے اور لوگ کہنے لگے کہ ایک نہ ایک دن نعمان نام کا یہ طالب علم سب سے بڑا عالم بن جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

استاد کی جگہ

پڑھائی کے زمانے میں ہی ایک بار ایسا ہوا کہ کوفہ بھر میں آپ کے علم کی دھوم مچ گئی۔ ہوا یہ کہ استاد حمادؒ کسی کام سے بصرہ شہر چلے گئے وہ اپنی جگہ مدرسے کا کام امام ابوحنیفہؒ کو سونپ گئے۔ امام صاحب استاد حمادؒ کی جگہ درس دینے لگے۔ اب لوگ جو مسئلہ پوچھنے آتے آپ سے پوچھتے۔ آپ اسے لکھ لیتے پھر جو جواب دیتے وہ بھی لکھ لیتے۔ دو مہینے کے بعد استاد حمادؒ واپس آئے۔ اتنے دنوں میں امام ابوحنیفہؒ نے ساٹھ مسئلے لوگوں کو بتائے تھے۔ یہ ساٹھ سوال اور ان کے جواب امام صاحب نے اپنی نوٹ بک میں لکھ رکھے تھے۔ استاد کے آنے پر وہ سارے سوال اور جواب انھیں دکھائے۔ حضرت حمادؒ نے بڑے غور سے دیکھا۔ کچھ جوابوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ان میں یہ اور یہ غلطی ہے باقی جوابات ٹھیک بتائے اور بہت شاباشی دی۔ یہ بات بہت جلد کوفہ بھر میں مشہور ہوگئی اور لوگ امام ابوحنیفہؒ کے علم پر بھروسہ کرنے لگے۔ پھر ہوا یہ کہ جب استاد حمادؒ کا انتقال ہوگیا تو لوگوں نے ان کی جگہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بٹھایا اور آپ کوفہ کے سب سے بڑے مدرسے کے سب سے بڑے استاد ہوگئے۔

امام صاحب کے پڑھانے اور درس دینے کا طریقہ بھی بہت اچھا تھا۔ آپ کو جو کچھ

بتانا ہوتا، اس کی خاص خاص باتیں پہلے شاگردوں کے سامنے رکھتے۔ شاگردوں کو وقت دیتے کہ سب ان باتوں پر اپنی رائے دیں۔ شاگرد اپنی سمجھ اور اپنے علم کے مطابق جو کچھ کہتے، امام صاحب وہ بڑے غور سے سنتے۔ دوسرے شاگردوں سے کہتے کہ وہ بھی سنیں اور بتائیں کہ کہنے والے شاگرد نے کیا ٹھیک کہا اور کیا غلط؟ آخر میں اپنا فیصلہ سناتے۔ اس طرح درس دینے سے شاگردوں میں بڑی سوجھ بوجھ بڑھی اور پھر آگے چل کر امام صاحب کے شاگردوں میں ایسے عالم اور امام ہوئے، جن کو دنیا بھر کے عالموں نے بہت بڑا امام مانا۔ آپ کے شاگردوں میں یوں تو بہت سے مشہور عالم ہوئے لیکن سب سے بڑھ کر دو شاگرد ہوئے ایک امام ابو یوسف دوسرے امام محمدؒ۔ (ان پر اللہ کی رحمت ہو)

علم کا شوق

حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم ہو گئے لیکن ان کا جی چاہتا تھا کہ اور پڑھیں۔ اپنا علم بڑھانے کے لیے وہ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ مکہ میں حدیث کے بہت سے مدرسے تھے امام صاحب ہر مدرسے میں گئے لیکن سب سے اچھی درس گاہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کی معلوم ہوئی۔ حضرت عطاء نے دو سو صحابہؓ سے حدیثیں سنی تھیں۔ امام صاحب انھی کی درس گاہ پہنچے۔ مکہ ہی میں حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت عطاء کی ٹکرّ کے عالم تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان دونوں بزرگوں سے علم حدیث سیکھا اس کے بعد مکہ سے مدینہ چلے۔ مدینہ میں پیارے رسول ﷺ کے گھرانے کے دو ایسے بزرگ موجود تھے جو علم کے سمندر تھے۔ یہ دونوں بزرگ تھے حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت ابوحنیفہؒ مدینے میں آئے تو ان دونوں بزرگوں سے ان کو بڑی محبت ہو گئی۔ ابوحنیفہؒ سب سے پہلے امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ملے۔ امام باقرؒ بھی ان کا نام سن چکے تھے۔ انھوں نے دو ایک سوال کیے۔ ابوحنیفہؒ نے سوالوں کے جواب ایسے اچھے دیے کہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی اور بڑی دعائیں دیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ دین کی ساری باتیں اہل بیت کے گھر سے نکلی ہیں اس لیے اہل بیت ہی دین کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مدینے سے

علم سیکھنے کے بعد جب کوفہ واپس گئے تو دل مکہ اور مدینہ ہی میں لگا رہا۔ امام صاحب مکہ اور مدینہ جایا کرتے اور وہاں کے عالموں سے ملا کرتے تھے اور کھوج لگایا کرتے کہ اہل بیت میں سے اس وقت کون کون سے بزرگ موجود ہیں۔

کوفہ سے بصرہ، بصرہ سے مکہ، مکہ سے مدینہ کے اس سفر میں صرف یہی نہیں ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ نے دوسرے بزرگوں سے حدیث کا علم سیکھا بلکہ یہ بھی ہوا کہ ان بزرگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی سمجھ داری، ان کی محنت اور ان کے شوق کو سراہا اور انھیں بہت بڑا عالم مان لیا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ کہا کرتے تھے کہ علم کی چلتی پھرتی شکل ابوحنیفہؒ ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے پہلے استاد حضرت حمادؒ کو اسی طرح مانتے رہے جیسے شروع میں مانتے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے، انھی کے مدرسے میں رہے۔ وہ انھیں کے پاس بیٹھتے اور انھی کی نگرانی میں دوسروں کو پڑھاتے۔ کیسے لائق اور شریف شاگرد تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! ایسے ہی محنتی ایسے ہی سمجھ دار اور استاد کا ادب کرنے والے شاگرد آگے چل کر بڑے مانے جاتے ہیں۔ جو طالب علم پڑھنے میں محنت نہیں کرتے، جو استاد کا ادب نہیں کرتے، شوق سے پڑھتے بھی نہیں اور اللہ کی دی ہوئی سمجھ کو کام میں بھی نہیں لاتے، ان پر اللہ تعالیٰ اپنی برکت نازل نہیں فرماتا۔ ایسے ہی طالب علم غبی ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ بھی علم حاصل نہیں کر پاتے۔ اچھے طالب علموں کے لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

۱۲۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد کوفے والوں اور حضرت حمادؒ کے تمام شاگردوں نے انھیں استاد کی جگہ بٹھایا۔ اس درس گاہ میں تیس برس تک ایسی محنت اور سمجھ داری سے کام کیا کہ دور دور تک آپ کی قابلیت کی دھوم مچ گئی۔ چاروں طرف سے طالب علم کوفہ کے اس مدرسے میں آنے لگے یہاں تک کہ شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اس مدرسے سے امام ابوحنیفہؒ کے آٹھ سو بڑے ہی قابل شاگرد نکلے۔ ان میں پچاس تو ایسے تھے جن کو اس وقت کی عباسی حکومت نے قاضی مقرر کیا اور ایک شاگرد (ابویوسفؒ) تو اتنے بڑے قاضی اور عالم تھے کہ ان کے وقت کا سب سے بڑا بادشاہ

ہارون رشید ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا اور اس نے اپنی حکومت میں ان کو سب سے بڑا قاضی بنا دیا تھا۔

ماں کا ادب

حضرت امام ابو حنیفہؒ اتنے بڑے عالم ہو گئے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ عالم ہونے کے ساتھ اللہ نے ان کے مال میں بڑی برکت دی تھی۔ کپڑے کے کارخانے چالو تھے اور ایک دوکان بھی تھی۔ کسی کے محتاج نہ تھے پھر بھی گھمنڈ بالکل نہ تھا۔ کبھی اپنی بڑائی نہیں جتاتے تھے۔ ان کے پاس چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ آیا کرتے تھے۔ وہ سب کی عزت کرتے۔ امام صاحب کی والدہ ان کے عالم اور امام ہونے کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ امام صاحب نے اپنی والدہ کی بڑی خدمت کی۔ ان کے لیے خدمت گار موجود تھے لیکن امام صاحب خود جاتے اپنی ماں کے سارے کام کر دیتے۔ بازار سے سودا لانا ہوتا تو خود جا کر لاتے۔ اپنی ماں کے سامنے تو ایسے بن جاتے جیسے کوئی بہت ہی چھوٹے آدمی ہوں۔ جا کر کہتے ''امّی جان! نعمان حاضر ہے!'' اس کے بعد اس وقت تک ماں کی خدمت میں حاضر رہتے جب تک وہ جانے کی اجازت نہ دیتیں۔ امام صاحب نے اپنی والدہ کا کوئی حکم کبھی نہیں ٹالا۔ اس بارے میں ایک بڑی دل چسپ اور نصیحت والی بات کتابوں میں لکھی ہے۔

کوفہ میں بہت سے عالم تھے ان میں ایک عالم تھے عمرو ابن ورقہؒ امام صاحب کی والدہ صاحبہ حضرت عمرو بن ورقہؒ کو بہت مانتی تھیں۔ جب کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امام صاحب کو بلاتیں اور کہتیں ''نعمان ذرا عمرو بن ورقہ سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ۔'' امام صاحب جھٹ ان کے پاس جاتے اور مسئلہ پوچھتے۔ حضرت عمرو بن ورقہؒ امام صاحبؒ کو دیکھتے تو بہت شرماتے اور کہتے کہ ''آپ کے ہوتے میں کیا عرض کروں۔'' اس کا جواب امام صاحب یہ دیتے ''میری والدہ کا حکم یہی ہے کہ آپ بتائیں۔'' کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ابن ورقہؒ کو مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو وہ امام صاحب سے ہی پوچھتے اور وہی جواب بھجوا دیتے۔ واہ واہ! کیسے اچھے بیٹے تھے۔ پھر یہ کہ کبھی یہ گھمنڈ بھی نہ آیا کہ ان سے زیادہ علم والے ہیں لاؤ خود ہی بتا دیں ایسا کبھی نہیں کیا۔ اس سے بھی زیادہ دل چسپ اور

نصیحت والی بات یہ ہے کہ ایک بار ماں نے بیٹے سے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے بتایا تو بولیں ''تیری بات سمجھ میں نہیں آتی۔ چل ابن ورقہ سے پوچھیں۔'' امام صاحب ماں کے ساتھ ہو گئے دونوں ابن ورقہ کے پاس پہنچے۔ ان سے مسئلہ پوچھا انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو امام صاحب نے بتایا تھا۔ اب والدہ کو اطمینان ہوا۔ امام صاحب نے ماں سے اتنا بھی نہ کہا کہ میں نے بھی تو یہی بتایا تھا۔ اس بات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اپنی ماں کو اُف بھی نہیں کہتے تھے جیسا کہ قرآن میں ماں باپ کے بارے میں ہے کہ ''انھیں اُف نہ کہو۔'' اور اسی بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب میں ذرا بھی گھمنڈ نہ تھا۔

فیّاضی

اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو علم بھی عطا فرمایا تھا اور دولت بھی۔ امام صاحب نے اللہ کا دیا ہوا علم اور اس کی عطا کی ہوئی دولت اللہ کے بندوں کے لیے خرچ بھی خوب کی۔ ان کے مدرسے میں ہزاروں طالب علم تھے اور امام صاحب کسی فیس اور معاوضے کے بغیر سب کو دین کا علم سکھاتے تھے۔ جو طالب علم غریب ہوتے ان کو اتنا دیتے کہ ان کا پورا گھر آرام سے کھاتا۔ امام صاحب کے شاگردوں میں ایک شاگرد تھے ''ابو یوسف۔'' یہ وہی ابو یوسف ہیں جو آگے چل کر امام صاحب کے سب سے بڑے شاگرد اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم اور قاضی ہوئے۔ ابو یوسف طالب علمی کے زمانے میں بہت غریب تھے اور ان کا گھرانہ امام صاحب کے دیے ہوئے وظیفے سے آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے طالب علموں کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ اس دینے کا منشا یہ تھا کہ اللہ کا دین زیادہ سے زیادہ پھیلے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اللہ کا دین حاصل کریں۔ یہ تو تھا اپنے شاگردوں کے ساتھ برتاؤ۔ یہی برتاؤ دوسروں کے ساتھ تھا۔ یہ لوگ امام صاحب سے قرض کے طور پر رقم لے جاتے۔ اگر وہ ادا نہ کر پاتے تو امام صاحب معاف کر دیتے۔ ملنے جلنے والوں سے کہا کرتے ''بھئی، جو ضرورت ہوا کرے کہہ تو دیا کرو۔'' پھر اچھی خاصی رقم دیتے اور کہتے اللہ کا شکر ادا کرو اسی نے مجھے یہ رقم دی ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ ہی لوگوں کو دینے کے لیے مجھے دی ہے۔'' قرض معاف کرنے کا ایک مزے دار

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار امام صاحب ایک بیمار کو دیکھنے جا رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک آدمی انھیں دیکھ کر راستہ کترا گیا۔ آپ نے آواز دے کر بلایا اور پوچھا "کیوں راستہ بدل دیا تھا؟" اس نے بتایا۔ "آپ کا دس ہزار کا قرض ہے ابھی تک ادا نہ کر سکا، سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے۔" امام صاحب نے یہ سن کر جواب دیا۔ "اچھا، میں نے معاف کیا۔"

ایک بار سنا کہ کوفہ کے ایک بڑے عالم قرض میں ایسے پھنسے ہیں کہ ادا نہیں کر سکتے اور انھوں نے شرم کے مارے گھر سے نکلنا ہی بند کر دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ قرض کی پوری رقم بھجوا دی۔

ایک بار دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا "کیوں لڑتے ہو؟" ایک شخص نے جواب دیا کہ "یہ میری رقم نہیں دیتا۔" امام صاحب نے رقم اپنی جیب سے نکال کر دے دی اور نصیحت کی کہ "مسلمان آپس میں لڑا نہیں کرتے۔"

اسی طرح کی باتیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بہت ملتی ہیں۔ ہم انھیں کہاں تک بیان کریں۔ اب دو ایک ایسی مثالیں سنیے کہ امام صاحب پیسہ کس طرح کماتے تھے؟

کاروبار

یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام صاحب کے گھر کپڑا بننے کا بہت بڑا کارخانہ تھا، ساتھ ہی دوکان بھی تھی۔ دور دور تک آپ کے کارخانے کا مال جاتا تھا۔ لاکھوں کی رقم کاروبار میں لگی تھی لیکن کیا مجال کہ ایک پیسہ بھی ناجائز طریقے سے آجائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "مال میں عیب ہو تو گاہک کو بتا دو۔" اس حدیث کے مطابق امام صاحب نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ عیب دار کپڑا گاہک کو بتا کر دیا جائے۔ ایک بار آپ کے ملازم ابن عبد الرحمٰن چوک گئے۔ انھیں یاد نہ رہا کہ جو تھان بیچ کر آئے ہیں ان میں عیب ہے۔ لوٹ کر آئے تو یاد آیا۔ امام صاحب سے سارا حال کہا۔ امام صاحب نے ان سارے تھانوں کی رقم خیرات کر دی۔ یہ سب ۳۵ ہزار کی رقم تھی۔

اس سے زیادہ نصیحت والا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار ایک عورت ریشم کا ایک تھان بیچنے کے لیے آپ کی دوکان پر آئی۔ اس وقت آپ دوکان پر تھے۔ آپ نے عورت سے پوچھا۔

''تھان کتنے کا ہے؟'' اس نے بتایا ''سو روپے کا۔'' آپ نے تھان دیکھا تو وہ بہت قیمت کا تھا۔ آپ نے غور سے کہا ''تم نے جو قیمت بتائی ہے وہ کم ہے۔'' یہ سن کر عورت امام صاحب کا منہ تکنے لگی کہ وہ مذاق تو نہیں کرتے پھر بولی ''اچھا اگر کم ہے تو مناسب دام دے دیجیے۔'' امام صاحب نے پانچ سو دیے، عورت تعجب کرتی اور ہنستی ہوئی چلی گئی۔ بتائیے، ایسا دوکان دار آپ نے کہیں دیکھا ہے؟

پڑوسی

ایک اور مزیدار اور نصیحت والی بات سنیے۔ امام صاحب کے پڑوس میں ایک پہلوان رہتا تھا۔ وہ پہلوان بڑا اجڈ تھا، اسے گانے بجانے کا بھی شوق تھا، وہ رات کے وقت گایا بجایا کرتا اور اس کے شور وغل سے امام صاحب ٹھیک سے سو نہ پاتے۔ لوگ پہلوان کو سمجھاتے لیکن وہ اپنی پہلوانی کے گھمنڈ میں کسی کی بات نہ مانتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ کسی جھگڑے میں پولس نے اسے پکڑا اور جیل میں بند کر دیا۔ امام صاحب نے سنا تو قاضی کے پاس گئے اور کہا کہ پہلوان میرا پڑوسی ہے۔ پڑوسی کا مجھ پر حق ہے کہ میں اس کی مدد کروں۔ اگر جرمانہ وصول کر کے پہلوان کو چھوڑا جا سکتا ہے تو میں جرمانہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔

قاضی صاحب نے کہا۔ ''آپ ایسے بُرے آدمی کو چھڑاتے ہیں جو آپ کی نیند خراب کرتا ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ ''ہاں! میں اسے چھڑانے آیا ہوں کیوں کہ نبی ﷺ نے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔''

پہلوان چھوڑ دیا گیا۔ اس پر امام صاحب کے اس برتاؤ کا ایسا اثر پڑا کہ اس نے گانے بجانے سے توبہ کر لی اور آپ کا شاگرد ہو کر دین کا علم سیکھنے میں لگ گیا اور پھر بہت بڑا عالم ہو گیا۔

فقہ حنفی تیار ہونا

ایک دن کی بات ہے کوفہ کے ایک قاضی صاحب کچہری برخاست کر کے اپنے گھر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کو دیکھا وہ کسی سے لڑ رہی تھی اور گالیاں بک رہی تھی۔

قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر عدالت میں حاضر کیا جائے۔ خود بھی کچہری کی طرف لوٹ پڑے۔ کچہری پہنچ کر اس عورت کو کوڑے مارنے کی سزا دی۔

یہ بات امام ابو حنیفہؒ نے سنی تو کہا کہ قاضی نے یہ غلطی کی۔ قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خود کوئی مقدمہ عدالت میں لائے اور خود ہی فیصلہ کرے۔ ٹھیک اور مناسب تو یہ تھا کوئی شخص عدالت میں مقدمہ لاتا تب قاضی فیصلہ کرتے۔

امام صاحب نے قاضیوں کی ایسی ہی اور بہت سی غلطیاں پکڑیں۔ اس وقت تک ایسی کوئی کتاب نہیں تھی، جس میں قرآن اور حدیث کے مطابق فیصلے لکھے جاتے اور جب ضرورت پڑتی، قاضی دیکھ لیا کرتے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اسی لیے ایسا ہوتا کہ بہت سے مقدمے ایسے سامنے آتے کہ قاضی چوک جایا کرتے۔ ان کے چوک جانے سے غلط فیصلے ہو جاتے۔ امام صاحب نے سوچا کہ قاضیوں کے لیے کوئی ایسی کتاب ضرور ہونا چاہیے، جس سے انھیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔ امام صاحب نے یہی بات اپنے شاگردوں کے سامنے رکھی۔ آپ کے شاگردوں میں قرآن وسنت کے بڑے بڑے نامی عالم تھے سب نے یہ بات پسند کی۔ امام صاحب نے اپنے شاگردوں میں سے کچھ کو اس کام کے لیے چنا۔ یہ سب امام صاحب کے پاس بیٹھتے اور مسئلوں کے بارے میں سوچتے۔ قرآن اور سنت کو سامنے رکھ کر اپنی اپنی رائے دیتے۔ امام صاحب غور سے سنتے آخر میں اپنی رائے دیتے اور فیصلہ لکھواتے کہ یہ بات اس طرح کی جائے اور یہ کہ جائز ہے یا ناجائز، فرض ہے یا واجب یا سنت وغیرہ۔

ایک کام اس سے پہلے ہو رہا تھا۔ دور دور سے لوگ امام صاحب سے فتویٰ پوچھنے آیا کرتے تھے کہ فلاں بات قرآن وسنت کے مطابق کیسی ہے، ماننے کے لائق ہے یا نہیں، یہ بات کریں یا نہ کریں؟ ایسی باتوں کا قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ دینا ہی فتویٰ دینا کہلاتا ہے، تو امام صاحب اس طرح کے بہت سے مسئلے بتا چکے تھے۔ یہ سارے فتوے آپ کے یہاں رجسٹر میں لکھے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ رجسٹر نکلوایا اور ایک ایک بات اور کام کے بارے میں جتنے مسئلے تھے وہ سب ایک جگہ لکھے گئے اس طرح ایمان کے بارے میں، حج اور زکوٰۃ کے بارے میں

شادی اور بیاہ کے بارے میں، لین دین کے بارے میں، لڑائی جھگڑے کے بارے میں کمانے اور خرچ کرنے کے بارے میں، رہنے سہنے کے بارے میں، حکومت کے بارے میں، مطلب یہ کہ زندگی میں جو جو باتیں سامنے آتی ہیں، ان سب کے بارے میں قرآن وسنت سے جانچ پڑتال کر کے فیصلے لکھے گئے کہ یوں ہونا چاہیے اور یوں نہ ہونا چاہیے۔ اس طرح کے مسئلوں اور فیصلوں کی الگ الگ کتابیں تیار ہوگئیں۔

یہ مسئلے اور فیصلے اور فتوے بہت جلد چاروں طرف مشہور ہو گئے۔ لوگوں کو ضرورت تو تھی ہی سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ قاضیوں نے بھی ان فتوؤں کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر دیے۔ پھر کیا تھا، دیکھتے دیکھتے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تیار کی ہوئی فقہ اسلامی حکومت میں پھیل گئی۔ امام صاحب اور آپ کے شاگردوں نے یہ اتنا بڑا کام کیا کہ مسلمانوں کو بڑی آسانی ہوگئی۔ مسلمان اس کام پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے بارے میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اتنا بڑا کام کر جانے سے ہی امام صاحب کو ''امام اعظم''، یعنی سب سے بڑا امام مانا جاتا ہے۔

حاکموں اور بادشاہوں سے برتاؤ

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے کہ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے بہت بڑے امام تھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکموں کے مطابق سارے کام کرتے تھے۔ ہم امام صاحب کے بارے میں ایک بات اور بتائیں گے، اس سے آپ سمجھ لیں گے کہ امام اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکموں کے مقابلے میں کسی کے حکم کی پروانہیں کرتے تھے چاہے وہ کوئی بڑے سے بڑا حاکم ہو یا بادشاہ ہو۔ امام صاحب کے زمانے کے حاکم اور بادشاہ ان کو نہ تو روپیہ پیسے کا لالچ دے کر ان سے اپنی جیسی کہلوا سکے اور نہ ڈرا دھمکا کر ہی اپنی من مانی بات منوا سکے بات یہ تھی کہ امام صاحب اپنے زمانے کے حاکموں اور بادشاہوں کو سچا حاکم اور سچا بادشاہ نہیں مانتے تھے۔ امام صاحب اصل حاکم اور بادشاہ اللہ کو مانتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ انسان اللہ کا بندہ اور اس کا خلیفہ ہے۔ خلیفہ اور نائب کا مطلب یہ کہ اللہ کی طرف سے جو حکم انسان کو ملے اس کے مطابق انسان چلے اور

دوسروں کو بھی چلائے۔ دوسروں کو اللہ کے حکموں پر چلانے کے لیے اللہ کے حکموں پر چلنے والے اللہ کے بندے اپنے میں سے سب سے زیادہ اللہ کے حکموں کا جاننے اور ماننے والا چن لیتے ہیں اور حکم چلانے کا سارا کام اسی کو سونپ دیتے ہیں۔ اسلام میں سچا خلیفہ ایسے ہی شخص کو مانا جاتا ہے۔ اسی لیے امام صاحب بھی ایسے ہی شخص کو سچا خلیفہ مانتے تھے۔ اب سنیے۔ امام صاحب کے زمانے میں ایسے بادشاہ ــــــ تھے جو اپنے بل بوتے پر یا روپے پیسے کی بہ دولت بادشاہ بن بیٹھے تھے۔ ایسے بادشاہ اپنی پسند کے لوگوں کو اپنا گورنر یا صوبے دار بناتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے حکومت کرتے تھے۔ ان کو یہ فکر کم تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے بنائے ہوئے قانون پر چلیں، انھیں یہ فکر زیادہ تھی کہ اپنا حکم چلائیں اپنی حکومت کو مضبوط کریں اور کوئی ان کے خلاف بات نہ کرے۔ جو شخص ــــــ ان کی مرضی کے خلاف کچھ کرتا، اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔

یہ بادشاہ اپنی حکومت کے بڑے بڑے لوگوں کو لالچ دے کر اپنا طرف دار بنا لیتے تھے اور پھر چین سے حکومت کرتے تھے۔ باقی رعایا میں روکنے ٹوکنے والا ہوتا ہی کون ہے، عام رعایا تو وہی کرتی ہے، جو بڑوں کو کرتا دیکھتی ہے۔

عام رعایا پر مولوی اور عالموں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ بادشاہ عالموں کو بڑے سے بڑا لالچ دے کر ڈرا دھمکا کر اپنا طرف دار بنا لیتے تھے۔ کم زور قسم کا عالم بے چارہ ڈر کے مارے یا لالچ میں آ کر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتا۔ جو عالم ان کی بات نہیں مانتا، اسے یا تو مروا دیتے یا جیل میں ڈال دیتے۔

ایسے حاکموں اور بادشاہوں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے عراق کے گورنر ابن ہبیرہ نے آپ کو اپنا طرف دار بنانا چاہا۔ عراق والے ابن ہبیرہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ اس نے سوچا کہ مولوی اور عالموں کو اپنا طرف دار بنا لیا جائے اور وہ میری جیسی کہنے لگیں تو عام لوگ سب میری حکومت کے خلاف نہ ہوں گے۔ یہ سوچ کر اس نے بڑے بڑے عالموں کو بلایا، بڑے بڑے عہدے دیے، انھیں اپنا طرف دار بنایا۔ اس کے بعد اس نے حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بلایا۔ آپ سے کہا "میں آپ کے ہاتھ میں اپنی مہر دیتا ہوں۔

آپ جو حکم چاہیں گے وہی چلے گا۔ اگر آپ کی مرضی کے خلاف میں کوئی حکم دوں تو آپ مہر ہی نہ لگائیں۔ اس طرح خزانے سے وہی مال باہر آئے گا، جس کے لیے آپ میرے حکم پر مہر لگا دیں گے۔ آپ میرے دربار میں رہیں۔

امام صاحب نے اس کے دربار میں رہنے اور یہ ذمے داری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آپ کے انکار کرنے پر اس نے قید کر دیا اور کوڑے لگوانے کی دھمکی دی لیکن امام صاحب نہ مانے۔ اب ابن ہبیرہ نے کہا کہ اچھا آپ میرے یہاں نہ رہیں تو نہ سہی یہ تو مانیں گے کہ میں آپ کو آپ ہی کے شہر میں قاضی بنا دوں۔ امام صاحب نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ اب تو عراق کے حاکم ابن ہبیرہ کو غصہ آ گیا اس نے قسم کھالی کہ اگر امام صاحب کوفہ کا قاضی ہونا قبول نہ کریں گے تو میں انھیں کوڑوں سے پٹواؤں گا۔ اس کے جواب میں امام صاحب نے بھی قسم کھالی اور کہا کہ دنیا میں اس کے کوڑے کھالینا میرے لیے آسان ہے لیکن آخرت میں اللہ کو ناراض کرنا اور وہاں کی سزا بھگتنا میرے بس سے باہر ہے۔ خدا کی قسم میں ہرگز قبول نہ کروں گا چاہے ابن ہبیرہ قتل ہی کر دے۔ ابن ہبیرہ اپنی قسم پر اڑ گیا تیس کوڑے آپ کے سر پر لگوائے اس کے بعد جیل بھیج دیا اور حکم دیا کہ جب تک نہ مانیں ہر روز دس کوڑے مارے جائیں۔ ہر روز دس کوڑے آپ کے مارے جانے لگے، آپ کی کھال ادھڑ گئی لیکن آپ بھی اپنی قسم پر اڑے رہے۔ یہ بات لوگوں میں مشہور ہوئی تو کچھ درباریوں نے ابن ہبیرہ سے کہا کہ اگر امام صاحب جیل میں مر گئے تو اچھا نہ ہوگا۔

ابن ہبیرہ کو بھی یہی ڈر تھا کہ کہیں رعایا بغاوت نہ کر دے۔ اس نے کہا کہ کوئی ایسا نہیں جو امام صاحب کو سمجھائے کہ وہ مجھ سے مہلت مانگ لیں۔ کچھ لوگ جیل میں گئے اور ابن ہبیرہ کی بات آپ سے کہی۔ آپ نے فرمایا میں سوچوں گا۔'' ابن ہبیرہ نے بس اتنے سے جواب پر آپ کو چھوڑ دیا۔ امام صاحب جیل سے چھوٹ کر مکہ چلے گئے۔ آپ کے مکّہ جانے کے بعد عراق میں رعایا خلاف ہو گئی اور پھر نہ ابن ہبیرہ حاکم رہا اور نہ وہ بادشاہ جس کی طرف سے وہ عراق کا صوبے دار تھا۔

امام صاحب اور خلیفہ منصور

امام صاحب کے زمانے میں جو بادشاہ ہوئے ان کی زبردستی تو دیکھیے۔ ہوتے تو وہ دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح بادشاہ ہی لیکن اپنے کو کہلاتے خلیفہ۔ زبردستی خلیفہ بن بیٹھتے اور جس سے ڈر ہوتا کہ وہ ہمیں خلیفہ نہیں مانے گا اسے بڑی سے بڑی رقم کا لالچ دیتے، لالچ دے کر اپنا طرف دار بنا لیتے۔ ایسے ہی بادشاہوں میں ایک ایسے خلیفہ سے آپ کا سابقہ پڑ گیا جو بڑا ہی زبردست بادشاہ تھا۔ اس کا نام تھا منصور اپنے کو خلیفہ ہی کہلاتا تھا اور لوگ اسے خلیفہ منصور ہی کہتے تھے۔

خلیفہ منصور نے بھی امام صاحب کا نام سنا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب کی فقہ سارے ملک میں چل رہی ہے اور لوگ اسی فقہ کے مطابق لین دین، شادی بیاہ اور سارے کام کرتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے سوچا کہ امام صاحب کو خوش رکھنا چاہیے۔ اس نے امام صاحب کے پاس بڑے قیمتی قیمتی تحفے بھیجے۔ لاکھوں کی نقد رقم بھیجی لیکن امام صاحب نے سب کچھ واپس کر دیا۔ تحفہ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے پوچھا کہ " آپ میرا تحفہ قبول کیوں نہیں کرتے؟" آپ نے جواب دیا کہ " آپ نے اپنے مال میں سے کب تحفہ بھیجا؟ آپ نے تو مسلمانوں کے بیت المال (اسلامی خزانے) سے مال میرے پاس بھیجا ہے تو اس مال پر میرا کوئی حق نہیں۔ نہ میں مسلمانوں کی طرف سے کسی جہاد میں سپاہی بن کر گیا، نہ جہاد میں حصہ لینے والے سپاہیوں کے بچوں میں سے ہوں اور نہ میں فقیر ہوں کہ یہ مال قبول کروں۔

یہ جواب پا کر خلیفہ منصور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اس کے درباریوں نے اسے بتایا کہ امام صاحب آپ کو سچا خلیفہ ہی کب مانتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے آپ کو بلایا۔ آپ گئے۔ اس نے آپ سے پوچھا " کیا میں سچا خلیفہ ہوں؟" امام صاحب نے صاف جواب دے دیا کہ سچا خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جس کو مسلمان چنیں اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکموں کے مطابق اسلامی حکومت کا کام چلائے۔

بھرے دربار میں منصور نے یہ بات پوچھی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس وقت امام صاحب

کی گردن پر تلوار پڑے گی اور آپ کو قتل کر دیا جائے گا لیکن خلیفہ منصور بھی بڑا گھاگ تھا اس نے امام صاحب کی بات سنی ان سنی کر دی اور آپ کو رخصت کر دیا۔ جب آپ دربار سے نکلے تو منصور نے اپنے وزیر ربیع کو ایک تھیلی دی اور کہا کہ جا کر امام صاحب کو دینا اگر وہ لے لیں تو انھیں اسی جگہ قتل کر دینا اور نہ لیں تو چپکے چلے آنا۔ ربیع تھیلی لے کر آپ کے پاس پہنچا، تھیلی پیش کی۔ آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ "میں یہ رقم منصور کے لیے ہی حلال نہیں سمجھتا اسے میں کیسے لے سکتا ہوں۔ میں یہ رقم نہ لوں گا چاہے میری گردن ہی اڑا دی جائے۔" ربیع یہ سن کر چلا آیا اور آپ بچ گئے۔

اب منصور نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح امام صاحب حکومت میں کوئی عہدہ قبول کر لیں۔ اس نے امام صاحب کو بلایا اور کہا کہ "میں آپ کو اپنی ریاست کا سب سے بڑا قاضی (چیف جسٹس) بناتا ہوں آپ منظور فرمائیں۔" امام صاحب نے جواب دیا کہ میں اس عہدے کے لیے موزوں نہیں ہوں۔ یہ سن کر منصور نے کہا "یہ تو آپ جھوٹ کہتے ہیں آپ تو بہت قابل آدمی ہیں۔"

منصور نے "جھوٹ" کا لفظ منہ سے نکالا تو آپ نے جھٹ فرمایا۔ "جب میں آپ کی نظر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹے آدمی کو جج بنانا بہت ہی بُرا ہے۔"

یہ جواب پا کر منصور چپ ہو رہا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر اس نے آپ کو سب سے بڑا قاضی بنانا چاہا، آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ کا قاضی وہی بہتر ہے جو ایسے فیصلے کرے جو آپ کو پسند ہوں۔ میں خدا اور اس کے رسولؐ کے فیصلوں کے خلاف آپ کی پسند کے فیصلے نہیں کر سکتا چاہے آپ مجھے دریائے فرات میں ڈبو دیں۔

اس کے بعد ایک ایسی بات ہوئی کہ منصور آپ کا جانی دشمن ہو گیا۔ بات یہ ہوئی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ نے منصور کے مقابلے میں اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ بڑے نیک اور خدا سے ڈرنے والے بزرگ تھے اور وہ قرآن و حدیث کا پورا علم رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا تو اچھے مسلمان ان کے طرف دار ہو گئے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بھی حضرت زید کی طرف داری کی۔

اس اعلان سے منصور بہت پریشان ہوا اس نے حضرت زید کو گرفتار کرنے کے لیے فوج بھیجی۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید مارے گئے اور منصور کو فتح ہوئی۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ ابوحنیفہ بھی حضرت زید کے طرف دار تھے، حضرت زید کے بعد اسی خاندان کے ایک دوسرے بزرگ محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ میدان میں نکلے۔ انھوں نے بھی اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا۔ یہ بزرگ بھی بہت ہی عالم فاضل اور نیک تھے۔ ان کی طرف داری میں تو حضرت ابوحنیفہؒ نے ایک بہت بڑا کام کیا۔

منصور کا ایک بڑا زبردست سپہ سالار تھا اس کا نام حسن تھا حسن امام صاحب کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ منصور نے اسی حسن کو محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے مقابلے کے لیے بھیجنا چاہا۔ حسن کو حکم بھی دے دیا۔ حسن نے امام صاحب سے رائے لی۔ آپ نے اسے جانے سے روک دیا۔ اس نے جا کر منصور سے کہہ دیا کہ میں اس لڑائی میں حصہ نہ لوں گا۔

منصور چپ ہو رہا اور دوسرے سپہ سالار کو فوج کے ساتھ بھیج دیا پھر درباریوں سے پوچھا کہ حسن لڑائی پر کیوں نہیں گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ امام ابوحنیفہ صاحب کے پاس جایا کرتا ہے۔

منصور سمجھ گیا کہ امام صاحب ہی نے اسے روک دیا ہے۔ اب تو وہ امام صاحب کی جان کو آ گیا۔ اس نے آپ کو دربار میں بلایا اور پھر قاضی بننے کو کہا۔ آپ نے اس بار بھی انکار کیا۔ منصور کو امام صاحب پر غصہ تو تھا ہی غصہ میں حکم دیا کہ کوڑے مارے جائیں۔ اس کے حکم سے امام صاحب پر کوڑے پڑنے لگے۔ آپ کا سارا بدن لہولہان ہو گیا۔ آپ پر تیس کوڑے پڑ چکے تھے۔ یہ بات منصور کے چچا عبدالصمد سے کسی نے بتائی۔ وہ دوڑا ہوا آیا۔ منصور سے کہا ”یہ تو نے کیا کیا یہ (امام ابوحنیفہ) عراق کا سب سے بڑا فقیہ (قرآن اور حدیث سے حکم نکالنے میں سوجھ بوجھ رکھنے والا) ہے۔ سمجھ لے کہ تو نے اپنے اوپر ایک لاکھ تلواریں کھنچوا لیں۔

عبدالصمد کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب عراق والے یہ سنیں گے کہ منصور نے امام صاحب کو سزا دی تو وہ بدلہ لینے کو اٹھ کھڑے ہوں گے منصور یہ سن کر گھبرا گیا۔ اس نے امام صاحب کو خوش کرنے کے لیے تیس کوڑوں کی سزا کے بدلے تیس ہزار کی رقم بھیجی کہ آپ

لے لیں۔امام صاحب نے یہ رقم واپس کر دی اور کہلا بھیجا کہ منصور کے پاس حلال کا مال ہے ہی کہاں جو میں لوں۔

چچا عبدالصمد کے کہنے سے اس وقت منصور نے امام صاحب کو چھوڑ دیا لیکن پھر بلایا اور پھر قاضی بننے کے لیے کہا۔امام صاحب نے پھر انکار کیا تو اس نے آپ کو قید کر کے جیل بھیج دیا اور پھر کچھ دنوں کے بعد جیل ہی میں زہر دلوا دیا۔زہر کے اثر سے ۱۵۰ھ میں امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ اب زندگی ختم اور موت قریب ہے تو آپ نے لوگوں سے کہا۔میرے مرنے کے بعد مجھے بغداد میں کسی ایسی جگہ نہ دفن کرنا جو منصور نے ناجائز طریقے سے لوگوں سے چھینی ہے۔

یہ تھا اس وقت کے حاکموں اور بادشاہوں سے امام صاحب کا برتاؤ۔مرتے مرتے مر گئے لیکن ظالم اور زبردستی بادشاہ بننے والوں کو خلیفہ تسلیم نہ کیا اور نہ ان کی نوکری کی اور نہ ان کے تحفے قبول کیے۔اللہ تعالیٰ امام صاحب کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم زیادہ سے زیادہ امام صاحب کی پیروی کر سکیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی فقہ کے بہت بڑے امام گزرے ہیں امام مالکؒ مدینے کے رہنے والے تھے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پیارے بیٹے تھے۔ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں ربیع الاوّل کی گیارہ تاریخ کو صبح کے وقت وفات پائی۔ آپ کی فقہ کی کتاب موطّا بہت مشہور کتاب ہے۔ دنیا کے لاکھوں مسلمان امام مالکؒ کی فقہ کے مطابق مسئلوں پر عمل کرتے ہیں۔ امام مالکؒ اتنے بڑے امام تھے کہ ان کے زمانے کا بادشاہ ہارون رشید جب حج کرنے گیا تو مدینہ بھی گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے موطّا سنی۔ اس طرح گویا وہ آپ کا شاگرد تھا۔

آیئے، آج ہم آپ کو بتائیں کہ امام مالکؒ اتنے بڑے عالم کس طرح ہوئے؟ سنیے، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا کہ امام مالکؒ ایک مشہور صحابیؓ کے بیٹے تھے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہؓ (اللہ ان سے راضی ہو) نے دین کا علم حضورؐ ہی سے سیکھا تھا اور حضور کو دیکھ کر وہ ساری باتیں سیکھ گئے تھے جن سے اللہ راضی اور خوش ہوتا ہے۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ تو بچپن ہی سے پیارے رسول کی خدمت میں پہنچ گئے تھے اور وہ پیارے رسولؐ کی پوری پوری پیروی کرتے تھے اور اسی طرح اپنے گھر والوں کو دین کی باتیں سکھاتے تھے جس طرح حضورؐ نے ان کو سکھائی تھیں۔

یہ تو ہوئیں باپ کی کوششیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی مہربانی تھی کہ حضرت

مالک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک کو بڑی اچھی سمجھ بھی دی تھی۔ وہ بڑے محنتی تھے اور انھیں علم حاصل کرنے کا شوق بھی تھا۔ انھوں نے اپنے والد حضرت انسؒ سے تو علم دین سیکھا تھا پھر بھی اس وقت مدینے میں دین کے بڑے بڑے عالم اور امام تھے ان کی بھی شاگردی اختیار کی اور ان سے بھی علم حاصل کیا۔ والد کے علاوہ ان کے استادوں میں امام زہریؒ، امام یحیٰیؒ، حضرت نافع، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ زید بن اسلم اور حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن بہت مشہور ہیں۔ (اللہ ان سب سے راضی ہو) امام مالک کے یہ سارے کے سارے استاد اس وقت کے سب سے بڑے امام تھے۔ بڑے بڑے عالموں نے بھی ان سب کو سب سے بڑا عالم مانا ہے۔

امام مالکؒ ان سارے اماموں کے پاس پہنچتے، ان سے حدیثیں سنتے، حدیثیں سن کر یاد کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی بہت اچھا دیا تھا۔ پھر بھی امام صاحب جو حدیث سنتے اسے لکھ بھی لیتے۔ اس طرح ان کے پاس بہت سی حدیثیں جمع ہو گئیں۔ آپ قرآن کے بہت بڑے عالم تھے ہی، اب حدیث کے بھی عالم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حدیث سمجھنے کی سوجھ بوجھ بھی دی تھی۔ آپ نے قرآن و حدیث کی مدد سے روزمرّہ کام آنے والے بہت سے مسئلے بیان کیے اور ان کو لکھ بھی لیا۔ لکھتے لکھتے ان کے پاس ایک بڑی عمدہ کتاب تیار ہو گئی، اسی کا نام موطّا ہے۔

دین کے اتنے بڑے عالم اور امام ہونے کے بعد آپ گھر میں نہیں بیٹھ رہے، عمر بھر دین کا علم پھیلاتے رہے، لوگوں کو سمجھاتے رہے، پڑھ پڑھ کر سناتے رہے۔ اس کے لیے آپ نے مسجد نبوی میں ایک جگہ مقرر کر لی تھی۔ آپ فجر کے بعد جب دھوپ ذرا چمک جاتی اسی جگہ بیٹھ جاتے اور دین کی باتیں سنانا شروع کر دیتے۔ لوگ جمع ہو جاتے۔ سنتے، لکھتے اور دوسرے مسئلے پوچھتے۔ امام مالکؒ سب کو جواب دیتے اور بتاتے تھے۔

یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہا۔ مسجد نبوی میں یہ جگہ، یوں سمجھنا چاہیے کہ دینی درس گاہ تھی۔ اللہ کے ہزاروں بندوں نے اس درس گاہ سے علم حاصل کیا۔ اس درس گاہ سے علم حاصل کرنے کے لیے سیکڑوں کوس تک کے لوگ آیا کرتے تھے۔ اندلس جو عرب سے سیکڑوں میل پچھّم کی طرف

ہے وہاں سے حضرت یحیٰؒ علم حاصل کرنے آئے اور اتنے بڑے امام ہو کر گئے کہ اسپین کے بادشاہ نے انھیں اسپین کا سب سے بڑا عالم مانا۔ انھوں نے اسپین میں خوب علم پھیلایا۔ امام یحیٰؒ کے علاوہ اور بہت سے شاگرد ہوئے لیکن شاگردوں میں سب سے زیادہ امام شافعیؒ مشہور ہوئے۔

امام مالکؒ جس وقت اس درس گاہ میں بیٹھتے تو بڑے ادب کے ساتھ خود بیٹھتے اور شاگردوں کو بھی ادب کی نصیحت کیا کرتے۔ ایک بار خلیفہ ہارون رشید حج کر کے مدینہ آیا تو اس درس گاہ میں بھی آیا اور امام صاحب کی خدمت میں بہت سے تحفے پیش کیے اور ہزاروں کی رقم دی۔

امام صاحب سے موطّا سنی، بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا "آپ میرے ساتھ بغداد چلیں اور وہاں سے یہ علم چاروں طرف پھیلائیں۔" امام صاحب کو مدینہ بہت عزیز تھا۔ آپ پیارے رسولؐ کا شہر چھوڑ کر کہیں جانا نہیں چاہتے تھے پھر یہ بات بھی تھی کہ اگر بادشاہ کی نوکری کر لیتے تو اس کی سی بات کرنی پڑتی۔ اس لیے بغداد جانے سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ میں پیارے رسولؐ کا شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اگر آپ چاہیں تو جو تحفے اور رقم دی ہے واپس لے سکتے ہیں۔

ہارون رشید نے ایک بات اور کہی ـــــ اس نے کہا کہ ملک میں حنفی فقہ پر لوگ چل رہے ہیں اگر آپ فرمائیں تو میں اسے بند کرا دوں اور آپ کی کتاب موطّا پر عمل کرنے کا حکم دے دوں۔

امام مالکؒ کو اللہ نے بڑا دل عطا کیا تھا۔ وہ کوئی ایسے ویسے عالم اور امام نہیں تھے جو دوسرے عالموں سے رشک و حسد کرتے ہوں۔ اس وقت چاہتے تو امام ابوحنیفہ کی فقہ کی جگہ ان کی فقہ سارے ملک میں مانی جاتی لیکن انھوں نے ہارون رشید سے فرمایا "صرف میں ہی حدیث کا جاننے والا نہیں ہوں۔ پیارے رسولؐ کے چاہنے والوں نے ہر جگہ علم پھیلا رکھا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی فقہ جہاں تک رائج ہو چکی ہے وہاں اس کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔

کیسے اچھے تھے امام مالکؒ، سوچنے کا مقام ہے۔ ایک آج کے عالم ہیں۔ ایک

دوسرے سے حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کی بات مانی نہ جائے۔ ایسے عالموں کو سمجھنا چاہیے کہ ایک بڑا عالم کیسا ہوتا ہے۔ ایک بڑے عالم کے لیے حضرت امام مالکؒ نمونہ ہیں۔

ایک بار خلیفہ نے ایک فتویٰ پوچھا۔ آپ نے ٹھیک ٹھیک قرآن وسنت کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ خلیفہ نے کہا کہ آپ ایسا اور ایسا فتویٰ دے دیجیے کیوں کہ میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ امام مالکؒ نے قرآن وسنت کے خلاف فتویٰ دینے سے انکار کر دیا اور خلیفہ کی مرضی کے مطابق فتویٰ نہیں دیا۔ خلیفہ اس وقت تو چپ ہو رہا لیکن پھر سپاہیوں کو اشارہ کر دیا۔ سپاہیوں نے امام صاحب کو پکڑ کر آپ کے بازو اکھاڑ دیئے۔ یہ تکلیف امام صاحب کے لیے بہت بڑی تکلیف تھی لیکن کچھ پروا نہ کی۔ اس کے بعد بھی جیل کی سزا بڑے صبر کے ساتھ سہتے رہے۔

حضرت امام مالکؒ نے ۸۵ سال کی عمر پائی۔ عمر بھر اللہ کے دین کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کے پاس آپ کے شاگرد اور وقت کے بادشاہ بڑے بڑے قیمتی تحفے، بڑی بڑی رقمیں بھیجتے تھے۔ چوں کہ نبی ﷺ نے تحفہ قبول فرمانے کے لیے کہا ہے چاہے وہ کتنا ہی حقیر ہو اس لیے امام مالکؒ ہر روز آنے والے تحفے قبول کر لیتے تھے۔ خود بھی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتے اور اللہ کے بندوں پر بھی دل کھول کر خرچ کرتے۔ جو لوگ باہر سے علم سیکھنے آتے ان کو اتنا دیتے کہ انھیں حیرت ہوتی۔ حضرت یحیٰ اسپین سے آئے تو انھیں اتنا دیا کہ وہ غنی ہو گئے، پھر جب گئے تو اتنا دیا کہ مالا مال ہو گئے۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو لاکھوں کی رقم کئی بار دی۔

امام مالکؒ کی فیاضی کا ایک نمونہ حضرت امام شافعیؒ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ہم یہاں اسے نہیں لکھتے۔ کچھ اور حالات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں پڑھیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں میں ایک بزرگ تھے۔ "حضرت سائب رضی اللہ عنہ۔" حضرت کے بیٹے "شافع" بہت مشہور آدمی ہوئے ہیں۔ انھی شافع کے پڑپوتے تھے "ادریس" اور ادریس کے بیٹے تھے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام "محمد" تھا لیکن اپنے پردادا کے نام پر "شافعی" مشہور ہوئے اور یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ اب لوگ اصل نام تو کم ہی جانتے ہیں لیکن "امام شافعی" سب کی زبانوں پر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی فقہ کے بہت بڑے امام ہوئے ہیں۔ کروڑوں مسلمان آپ کی فقہ کے مطابق چلتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ مکہ معظّمہ میں رہتا تھا امام صاحب وہیں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ رجب کا مہینہ تھا اور مہینے کی ۱۵ر تاریخ تھی اسی تاریخ کو اسی سال ہی فقہ کے سب سے بڑے عالم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی تاریخ کو فقہ کے ایک امام کو اپنے پاس بلایا اور ایک دوسرا امام پیدا کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ماں باپ بڑے پکّے اور دین دار مسلمان تھے۔ امام صاحب کی زبان کھلی تو ماں باپ نے انھیں قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ امام صاحب ابھی بچے ہی تھے کہ قرآن یاد کر لیا۔ ذرا سی عمر میں قرآن کا یاد ہو جانا لوگوں کو بڑا عجیب معلوم ہوا اور اسی عمر میں امام شافعی کا حافظہ دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ یہ بچہ آگے چل کر بڑا عالم ہوگا۔ یہ سب اللہ کی مہربانی ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔

بچپن ہی میں قرآن یاد کرلیا تو ماں باپ نے امام صاحب کو ہذیل بھیج دیا۔ ہذیل مکہ معظمہ کے پاس ایک گاؤں تھا۔ ہذیل کے لوگ اچھی زبان بولنے میں مشہور تھے۔ اسی لیے امام صاحب کو یہاں بھیج دیا گیا تا کہ وہ اچھی بولی سیکھ لیں۔ دو تین برس وہاں رہ کر مکہ واپس ہوئے اور مکہ کے عالموں سے دین کا علم سیکھنے لگے۔ اسی زمانے میں والد کا انتقال ہوگیا۔ اب آپ اپنی پیاری ماں کی نگرانی میں رہنے لگے۔ آپ کی ماں نے بیٹے کا حافظہ اچھا دیکھا تو دل میں طے کیا کہ اپنے ذہین بیٹے کو بڑے اماموں کے پاس پڑھنے بھیجیں گی۔ وہ امام صاحب کے شوق کو ابھارتیں اور ایسی باتیں کرتیں کہ امام صاحب کا دل بڑے بڑے اماموں سے ملنے کو چاہتا اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتیں۔ امام صاحب ابھی چودہ برس ہی کے تھے کہ یہ شوق اچھی طرح ابھر آیا اور آپ مکہ کے باہر بڑے بڑے عالموں اور اماموں کے پاس جانے کے لیے بے چین ہونے لگے۔

آخر امام صاحب نے اپنی والدہ سے اجازت مانگی۔ وہ کچھ اداس ہوگئیں۔ امام صاحب بڑے اچھے بیٹے تھے۔ ماں کو اداس دیکھا تو بولے ”اماں! اگر آپ اجازت نہ دیں گی تو میں آپ ہی کی خدمت میں رہوں گا۔“ ماں نے یہ سنا تو کہنے لگیں ”بیٹا! میں اس لیے اداس نہیں ہوئی۔ میں تو تیرے لیے رات دن دعا کرتی تھی۔ میں اداس اس لیے ہوں کہ آج میرے پاس اتنا بھی کچھ نہیں کہ تیرے لیے دو روٹیاں پکادوں اور ساتھ کردوں“ اور یہ کہہ کر وہ رو پڑیں پھر انھوں نے اپنے کو سنبھالا اور بولیں ”بیٹا! کچھ فکر نہ کر۔ تو جس کا دین سیکھنے کے لیے جارہا ہے وہ (اللہ) خود ہی انتظام فرمائے گا۔ وہی روزی دینے والا ہے اور وہ ایسے طریقوں سے روزی پہنچاتا ہے کہ بندے کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔

کیسی اچھی بات کہی ماں نے۔ کیسی اچھی ماں تھیں وہ۔ یہ کہہ کر انھوں نے دو چادریں نکالیں۔ امام صاحب کو دیں اور کہنے لگیں بیٹا! تو میرے پاس اللہ کی ”امانت“ تھا۔ اب میں اس کی امانت کو (تجھ کو) اسی خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ میں سچے دل سے سمجھتی ہوں کہ خدا تجھے ہر آفت سے بچائے گا“ یہ کہنے کے بعد بیٹے کو گلے سے لگایا اور یوں دعا کی۔

اے میرے پالنے والے! میں اپنے پیارے بیٹے کو تیری راہ میں دین سیکھنے بھیج رہی

ہوں، وہ دین جو پیارے رسول ﷺ لے کر آئے۔ اے میرے رب! جس طرح تو نے میری یہ دعا سن لی کہ میرے بیٹے کو دین کا علم سیکھنے کا شوق ہو، اسی طرح اب اس کے شوق کو پورا فرما۔ اپنی طرف سے اس کی مدد کر اور میری ہی زندگی میں اسے دین کا سب سے بڑا عالم بنا تا کہ میں اسے دیکھوں اور تیرا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کروں۔''

یہ دعا مانگ کر بیٹے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا ''جا بیٹا! تجھے اللہ کے حوالے کیا۔ خدا حافظ! فاللّٰہ خیرٌ حافظًا ط وَ ھُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ (اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم والا اور مہربان ہے) یہ کہہ کر بیٹے کو رخصت کیا۔ امام شافعی چودہ برس کی عمر میں مکہ معظّمہ سے مدینے کی طرف چلے لیکن اکیلے تھے۔ سوچتے تھے کہ کوئی قافلہ ملے تو اس کے ساتھ ہو لیں۔ اللہ کی مہربانی دیکھیے، ابھی تھوڑی ہی دور یعنی ایک گاؤں ''ذی طویٰ'' تک گئے تھے کہ ایک قافلے کو دیکھا۔ وہ ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ امام صاحب پڑاؤ کے پاس پہنچے لوگوں کو سلام کیا پھر ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ بزرگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو پاس بلایا اور کہا ''بیٹے! میں چاہتا ہوں کہ آپ اس وقت میرے ساتھ کھانا کھائیں۔''

امام صاحب کے ماں باپ نے تین انگلیوں سے کھانا کھلانا سکھایا تھا۔ آپ تین انگلیوں سے کھانے لگے۔ وہ بزرگ اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ جو کھانا کھا رہے تھے، پانچوں انگلیوں سے کھا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر امام صاحب بھی پانچوں انگلیوں سے کھانے لگے تا کہ یہ لوگ غیر نہ سمجھیں۔ وہ بزرگ دیکھ رہے تھے امام صاحب اپنے آگے ہی سے کھا رہے تھے۔ ادھر ادھر ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔ کھانا کھا چکے تو یہ دعا پڑھی:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَطۡعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ

شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مجھے مسلمانوں میں پیدا کیا۔

یہ دعا پڑھ کر ان بزرگ کا بھی شکریہ ادا کیا۔ اور انھیں برکت کی دعا دی۔ وہ یہ ساری باتیں بڑے غور سے دیکھ اور سن رہے تھے کھانے کے بعد انھوں نے اپنے پاس بٹھا لیا اور اس طرح باتیں کرنے لگے۔

وہ بزرگ: ایسا لگتا ہے کہ تم مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہو؟"

امام صاحب: جی ہاں! میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔"

وہ بزرگ: میرا خیال ہے کہ تم قریش خاندان سے ہو؟"

امام صاحب: جی ہاں، میں قریش خاندان سے ہی ہوں۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ یہ باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں؟ غیب کی باتیں جاننے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔"

وہ بزرگ: بیٹے! یہ پہچاننا میرے لیے بڑی بات نہیں۔ میں بہت گھوما پھرا ہوں شہروں میں رہا ہوں اور قریات (گاوؤں) میں بھی۔ پڑھے لکھے عالموں سے بھی ملا ہوں اور بدوؤں کو بھی جانتا ہوں۔ تمھاری عادتیں اور باتیں دیکھ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ تم شہری لڑکے ہو اور قریش خاندان سے ہو کیوں کہ قریش خاندان ایسی اچھی عادتوں کے لیے مشہور ہے۔ وہ خود دوسروں کو کھانا کھلانے کے لیے مشہور ہے اور جب دوسرے ان کو کھانے کے لیے بلاتے ہیں تو وہ انکار نہیں کرتے۔ تم نے بھی انکار نہیں کیا۔

امام صاحب: اچھا حضرت! یہ بتائیے کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔

وہ بزرگ: میں مدینہ منوّرہ کا رہنے والا ہوں جو پیارے رسول ﷺ کا شہر ہے۔

امام صاحب: کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ اس وقت مدینے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟

وہ بزرگ: مدینے میں اس وقت سب سے بڑے عالم حضرت امام مالک ہیں۔ خدا ان کی عزت اور زیادہ کرے۔

امام صاحب: اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے اور میری بھی دعا سن لے۔

وہ بزرگ: "تو کیا تم دین کا علم سیکھنے مدینے جا رہے ہو؟"

امام صاحب: "جی ہاں، دل میں یہی ارمان ہے اور زبان پر دعا۔"

وہ بزرگ: وہ تو میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ تم علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے

ہو۔ تم علم کے بڑے شوقین معلوم ہوتے ہو! اچھا تو سنو، اللہ نے تمھاری دعا سن لی۔ دیکھو، تم دین کا علم سیکھنے جا رہے ہو تو تم اللہ کے مہمان ہو۔ تمھاری مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ وہ دیکھو ادھر، وہ جو سب سے اچھا اونٹ کھڑا ہے اور اس پر سامان لدا ہے وہ اونٹ اور سامان تمھارے لیے ہے ہم تم کو مدینہ پہنچائیں گے۔

ان بزرگ سے یہ سن کر امام صاحب بہت خوش ہوئے۔ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد جب قافلہ روانہ ہوا تو امام صاحب اونٹ پر بیٹھے بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگے۔ راستے بھر تلاوت کرتے رہے۔ ایک قرآن دن میں ختم کر لیتے اور ایک رات میں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ اس راستے میں سولہ بار قرآن ختم کر لیا۔

امام صاحب کو بچپن ہی سے پیارے رسول ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ پیارے رسول ﷺ کے پیارے شہر سے بھی محبت تھی۔ جیسے جیسے مدینہ قریب آتا گیا، امام صاحب کا جی چاہتا کہ اب جلد مدینہ آجائے۔ قافلہ آٹھویں دن مدینہ میں پہنچا۔ امام صاحب خوشی کے مارے جھومنے لگے۔ عصر کا وقت تھا۔ وہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے وہاں جماعت سے نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے اکیلے نماز ادا کی۔ پھر دیکھا کہ ایک جگہ ایک بزرگ بیٹھے ہیں۔ ان کے چہرے پر نور برس رہا ہے اور لوگ ان کے آس پاس جمع ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر امام صاحب بھی وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ نورانی چہرے والے بزرگ ایک چادر باندھے تھے اور ایک چادر اوڑھے۔ قافلے میں امام مالک کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ ایسی شکل وصورت کے بزرگ ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ امام مالک یہی ہیں۔ پھر جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا درس دینا شروع کیا تو پورا پورا یقین ہو گیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح حدیث پڑھنا شروع کی۔

مجھ سے نافع نے اور نافع نے عبد اللہ ابن عمر سے کہا کہ مجھ سے اس قبر میں سونے والے نے فرمایا اور یہ کہتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سیدھے ہاتھ سے پیارے رسول ﷺ کے روضۂ پاک کی طرف اشارہ کیا اور پھر پوری حدیث سنائی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود کہتے ہیں کہ امام مالک کے درس حدیث کا یہ طریقہ دیکھ کر

میرے اوپر رعب چھا گیا۔ امام مالک جو حدیث سناتے اسی طرح حوالے دیتے کہ میں نے فلاں سے سنا اور فلاں نے فلاں سے اور پھر جب پیارے رسول ﷺ تک بات پہنچتی تو داہنے ہاتھ سے روضہ پاک[1] کی طرف اشارہ کر کے اسی طرح کہتے جیسے پہلے کہا تھا۔

درس سننے والے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سنتے تو لکھ لیتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ تو قلم تھا نہ دوات۔ انھوں نے یہ کیا کہ ایک تنکا اٹھالیا۔ تنکا منہ کے اندر لے جاتے۔ تنکا نم ہو جاتا تو تنکے سے اپنی ہتھیلی پر حدیث لکھتے جاتے۔ امام شافعی تو اپنی دھن میں یہ کر رہے تھے ادھر امام مالک ان کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے اور انھیں غصہ آرہا تھا۔ انھوں نے پچیس حدیثیں بیان فرما کر درس ختم کر دیا۔ درس ختم ہونے کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے، امام مالک بیٹھے رہے۔ امام شافعی کہاں جاتے مدینے میں نہ ان کا گھر تھا نہ کوئی خاندان اور رشتہ دار، وہ بھی بیٹھے رہے۔ جب صرف یہی رہ گئے تو امام صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کر کے پاس بلایا۔ امام شافعی بڑے ادب کے ساتھ جا کر پاس بیٹھ گئے۔ امام مالک غور سے ان کو دیکھنے لگے پھر پوچھا ''کیا تم حرم (کعبہ) کے رہنے والے ہو؟'' امام شافعی نے جواب دیا ''جی ہاں! میں مکہ معظّمہ کا رہنے والا ہوں۔

یہ سن کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تمھارے اندر میں بڑی اچھی عادتیں دیکھ رہا ہوں۔ تم بہت ہی تمیز دار لڑکے ہو۔ بڑی اچھی بولی بولتے ہو۔ پڑھے لکھے بھی معلوم ہوتے ہو مگر تم نے اس وقت ایک بڑی ہی بے ادبی کی بات کی ہے۔''

یہ سن کر امام شافعی چونک پڑے۔ پوچھا ''حضرت! میں نے اس وقت کیا بے ادبی کی؟'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ''میں اس وقت حدیث کا درس دے رہا تھا اور تم ایک تنکے سے بچوں کی طرح کھیل رہے تھے۔''

اب امام شافعی سمجھے۔ عرض کیا کہ ''میں کھیل نہیں رہا تھا۔ میرے پاس دوات اور قلم نہیں۔ میں اپنی ہتھیلی پر حدیث لکھ رہا تھا۔''

---

(۱) پیارے رسول ﷺ کی قبر شریف مسجد نبوی میں داہنی طرف ہے اسے دیواروں سے گھیر دیا گیا ہے اور چھت پر ایک گنبد بنا دیا گیا تا کہ چھت پر چڑھنے والے پہچان لیا کریں۔ گنبد کا رنگ ہرا ہے۔

"دیکھوں تمھارا ہاتھ" یہ کہہ کر امام مالک نے امام شافعی کا ہاتھ اپنی طرف کھینچ لیا۔ ہتھیلی دیکھ کر فرمایا "اس میں تو کچھ بھی نہیں لکھا ہے؟"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ حضرت! یہ تو میرے یاد کرنے کا بہانہ تھا۔ ہتھیلی پر حرف کیسے بن سکتے ہیں۔ قلم دوات سے تو لکھا نہیں ہاں آپ نے جو حدیثیں سنائیں۔ وہ سب میں نے دل پر لکھ لیں۔ آپ کہیں تو سنا دوں۔

یہ سن کر امام مالک کو بڑا تعجب ہوا۔ بولے اچھا سناؤ تو۔ امام شافعی اس طرح حدیث سنانے لگے۔

"مجھ سے نافع نے، نافع سے عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ اس قبر میں سونے والے نے فرمایا (اور یہ کہتے ہوئے امام مالک کی طرح امام شافعی نے بھی روضہ پاک کی طرف داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا) پھر ایک ایک کر کے پچیس حدیثیں سنا دیں۔ امام مالک حدیثیں سن کر خوش بھی ہوئے اور خدا کی قدرت دیکھ کر تعجب بھی کیا کہ اللہ نے کیسا اچھا حافظہ ایک لڑکے کو عطا فرمایا ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔

اب مغرب کا وقت آ گیا تھا۔ نماز کے بعد امام مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ اپنے آقا کو لے جاؤ اور میری طرف اشارہ کیا۔ غلام مجھے لے کر چلا امام مالک کے گھر لے گیا۔ ایک کمرے میں ٹھہرایا اور بتانے لگا کہ کعبہ کا رخ ادھر ہے، یہ پانی کا لوٹا رکھا ہے، یہ دیکھو بیت الخلا ہے، یہ آپ کے سونے کی جگہ ہے۔

غلام یہ سب سمجھا ہی رہا تھا کہ امام مالک آ گئے۔ ان کے ساتھ نوکر تھا۔ نوکر کے ہاتھوں میں خوان تھا۔ امام مالک نے نوکر سے خوان لے لیا اور زمین پر رکھ کر بڑے تپاک سے مجھے سلام کیا۔ پھر نوکر سے کہا "چلو" ہاتھ دھلاؤ۔" نوکر مہمان کے ہاتھ دھلانے چلا تو امام مالک نے ٹوکا پہلے گھر والے کے (میزبان کے) ہاتھ دھلاتے ہیں اور کھانا کھانے کے بعد پہلے مہمان کے ہاتھ دھلانا چاہیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ مجھے نئی بات معلوم ہوئی یہ بات بہت پسند آئی۔

اس کے بعد امام شافعی نے امام مالک سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ بھئی بات یہ ہے کہ میزبان مہمان کو بلاتا ہے اس لیے دستر خوان پر پہلے اسی کو پہنچنا چاہیے تاکہ وہ کھانا قرینے سے چن سکے اور کھانا کھانے کے بعد میزبان کو بعد میں اس لیے ہاتھ دھونا چاہیے کہ ہوسکتا ہے کوئی اور شخص بعد میں آجائے تو میزبان اس کے ساتھ کھا سکے۔

کھانا کھا کر باتیں شروع ہوئیں۔ امام مالک دیر تک بیٹھے حال پوچھتے رہے۔ مکہ والوں کے بارے میں بھی حالات معلوم کرتے رہے۔ جب رات زیادہ ہوگئی تو فرمایا، مسافر ہو تھکے ہوگے، اب سو رہو۔ یہ کہہ کر امام مالک چلے گئے۔ امام شافعی بڑے آرام سے سوئے۔

صبح سویرے خود امام مالک نے آکر جگایا۔ امام شافعی جاگے تو دیکھا امام مالک پانی سے بھرا لوٹا لیے کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر امام شافعی شرم کے مارے لوٹا نہ لے سکے۔ امام مالک سمجھ گئے۔ بولے "بھائی" اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ تم میرے مہمان ہو اور مہمان کی خدمت کرنے کا حکم نبی ﷺ نے دیا ہے اور پھر تمھارے جیسا مہمان جو دین کا علم سیکھنے آیا ہو۔ تم تو خدا اور اس کے رسول کے مہمان ہو۔

یہ سن کر امام شافعی کی ڈھارس بندھی۔ لوٹا لے لیا اور مسجد نبوی میں جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مسجد گئے سنت پڑھ کر بیٹھے رہے پھر جماعت سے نماز پڑھی۔ امام مالک نے نماز پڑھائی۔ نماز پڑھا کر مصلے ہی پر بیٹھے رہے اور کوئی وظیفہ پڑھتے رہے۔ جب پہاڑیوں پر ذرا ذرا دھوپ چمکی تو درس کی جگہ جا کر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے امام صاحب کو گھیر لیا اور آس پاس بیٹھ گئے۔ امام صاحب نے اپنی کتاب موطّا امام شافعی کے ہاتھ میں دے دی اور کہا "سب کو سناؤ" امام شافعی سنانے لگے اور لوگوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ پورے آٹھ مہینے اسی طرح امام شافعی نے امام مالک کے حکم سے موطّا سنائی۔ موطّا ان کو پوری یاد ہوگئی۔

ان آٹھ مہینوں میں امام مالک نے امام شافعی کو اچھی طرح اپنے گھر رکھا۔ پورا خرچ اٹھایا اور اس طرح پیش آتے رہے کہ لوگ امام شافعی کو ان کے گھر کا شخص سمجھتے تھے۔ انھی دنوں میں حج کا زمانہ آیا تو مصر کے لوگ آئے۔ انھوں نے موطّا سننا چاہا تو امام صاحب کے حکم سے میں

نے زبانی سنادی۔ ان کے جانے کے بعد عراق کے لوگ آئے۔ ان میں ایک نوجوان کو امام شافعی نے دیکھا۔ وہ بڑا صاف ستھرا اور قاعدے کا نوجوان نظر آیا۔ وہ بڑے اچھے ڈھنگ سے نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو امام شافعی نے اس سے پوچھا۔

''بھائی! آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔؟''

''میرا وطن عراق ہے۔ اس نے جواب دیا''

''عراق کے کس شہر میں آپ رہتے ہیں؟'' پھر پوچھا اس نے بتایا ''کوفہ'' میں۔ کوفہ کا نام سنا تو امام شافعی کو امام ابوحنیفہ یاد آ گئے جھٹ پوچھ بیٹھے:

''بھائی! یہ بتاؤ کہ آج کل کوفہ میں دین کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟'' اس جوان نے بتایا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دین حسن آج کل کوفہ کے مانے ہوئے امام ہیں دونوں امام ابوحنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد ہیں۔''

''اچھا ایک بات اور بتاؤ بھائی! امام شافعی نے پوچھا تم عراق کی طرف کب واپس جاؤ گے؟''

''کل صبح سویرے ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اس نوجوان نے جواب دیا۔

یہ سنتے ہی امام شافعی دوڑتے ہوئے امام مالک کے پاس پہنچے عرض کیا ''حضرت! آپ جانتے ہیں کہ میں گھر سے اس لیے نکلا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کروں۔ سنا ہے کہ کوفہ میں بھی حدیث کے بڑے بڑے عالم موجود ہیں۔ اس وقت موقع ہے۔ کل قافلہ عراق کی طرف جا رہا ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں اس قافلے کے ساتھ کوفہ پہنچ جاؤں گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پیارے شاگرد کے شوق کو دیکھا تو شاباشی دی۔ پھر بڑی دعائیں دیں اور کہا ضرور جانا چاہیے جو شخص دین کا علم سیکھنے جاتا ہے تو فرشتے راستے میں پر بچھاتے ہیں اور علم کے فائدے کم نہیں ہوتے۔

امام مالک نے شاگرد کے لیے رات ہی میں سارا انتظام کر دیا صبح لے کر قافلے میں

پہنچے ایک اچھا سا اونٹ کرائے کے لیے طے کیا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ میں بڑے تعجب میں تھا۔ رات کو تو استاد کے پاس ایک پائی بھی نہ تھی اور نہ میرے پاس ہی کچھ تھا پھر بھی استاد نے ایسا اچھا اونٹ کرائے پر لیا۔ میں نے اپنی الجھن ان کے سامنے رکھی تو انھوں نے اللہ کی مہربانی کا ایک واقعہ یوں سنایا۔

''بھائی! سچ مچ رات میرے پاس کچھ نہ تھا۔ لیکن پھر کسی نے دروازے پر آواز دی۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن قاسم کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی۔ بڑا اصرار کر کے تحفہ دے گئے ہیں۔ تھیلی لے کر گھر میں گیا۔ کھولا تو اس میں تھے سو دینار (اشرفیاں)۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ تمھارے سفر کا سامان اس نے اپنی خاص مہربانی سے کر دیا۔ میں نے پچاس گھر میں خرچ کے لیے رکھے پچاس تمھارے لیے لے کر آ گیا۔ لو اور خدا کا شکر ادا کرو۔

امام شافعی امام مالک کی یہ محبت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ دینار لے لیے۔ چار دینار پر کرایہ کا اونٹ طے ہوا تھا۔ چار دینار اونٹ والے کو دیے۔ پھر جب قافلہ چلا تو جب تک قافلہ دکھائی دیتا رہا امام مالک اس کی طرف دیکھتے رہے۔ چوبیسویں دن امام شافعی کوفہ پہنچ گئے۔ عصر کا وقت تھا۔ امام شافعی نماز پڑھنے مسجد میں پہنچے وہاں جماعت سے نماز ہو چکی تھی۔ ایک طرف ایک نوجوان کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا۔ امام شافعی نے دیکھا کہ وہ ٹھیک سے نہیں پڑھ رہا ہے۔ امام شافعی نے اسے ٹوکا۔ اسے نصیحت کی کہ نماز بڑے اطمینان سے پڑھتے ہیں۔ وہ نوجوان یہ سن کر بگڑ گیا اور بکتا جھکتا چلا گیا۔ دروازے پر امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن نے اسے دیکھا تو حال پوچھا ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا صاحب میں پندرہ سال سے آپ صاحبان کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں آپ صاحبان نے تو مجھے کبھی ٹوکا نہیں۔ اب وہ نوجوان جو کھڑا نماز پڑھ رہا ہے، کہتا ہے کہ ٹھیک سے نماز پڑھا کرو۔ حجازی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ حجازی ہی کسی ڈر اور خوف کے بغیر باتیں کرتے ہیں۔''

دونوں بزرگوں نے اس نوجوان سے یہ سنا تو امام شافعی کی طرف دیکھا سمجھ گئے کہ حجازی نوجوان علم والا معلوم ہوتا ہے۔ دونوں بزرگوں نے عراقی نوجوان سے کہا۔ ''جا کر اس سے پوچھو کہ نماز میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔''

نوجوان نے امام شافعی سے پوچھا۔ امام شافعی نے بتایا کہ نماز دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ شروع کرنا چاہیے۔

یہ جواب امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن نے سنا سمجھ گئے کہ کوئی بڑا عالم آیا ہوا ہے۔ نوجوان کو پھر بھیجا کہ پوچھ کر آئے، وہ دو فرض اور ایک سنت کیا ہے؟

امام شافعی نے دوسری بار بتایا کہ وہ دو فرض یہ ہیں اول تو نیت کرنا، دوم یہ کہ تکبیر تحریمہ کہنا یعنی نماز پڑھنے کے لیے پہلی بار اللہ اکبر کہنا اور ایک سنت یہ کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے کانوں کی طرف دونوں ہاتھ اٹھانا۔

یہ جواب دونوں بزرگوں کے پاس پہنچا تو اب دونوں بزرگ مسجد کے اندر گئے۔ وہاں پندرہ سولہ برس کا ایک لڑکا دیکھا تو امام شافعی کچھ انھیں جچے نہیں۔ دونوں مسجد میں ایک طرف بیٹھ گئے اور اسی نوجوان کو بھیجا کہ بلا لائیں۔ نوجوان نے جا کر امام شافعی سے کہا۔ چلو عالموں کی خدمت میں۔

یہ سن کر امام شافعی سمجھ گئے کہ اب امتحان لیا جائے گا تو وہ بھی اکڑ گئے۔ نوجوان سے کہا "جاؤ جا کر کہہ دو کہ پیاسے کنویں کے پاس جاتے ہیں، کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔"

یہ جواب سن کر دونوں بزرگ یہ بھی سمجھ گئے کہ جواب دینے والا بڑی اچھی زبان بول رہا ہے۔ دونوں امام شافعی کے پاس پہنچے سلام کیا۔ اب تو امام شافعی شرما گئے جھٹ اٹھ کر سلام کا جواب دیا اور بڑھ کر مصافحہ کیا۔ دونوں بزرگ بیٹھ گئے۔ امام شافعی بھی بیٹھے۔ دونوں بزرگوں نے حال پوچھا۔ پھر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس پندرہ سولہ برس کے لڑکے نے موطّا زبانی یاد کر لی ہے تو دو تین مسئلے پوچھے اور کہا کہ موطّا میں ان کے بارے کیا کہا گیا ہے۔؟" امام شافعی نے ٹھیک ٹھیک جواب دیے تو دونوں بزرگ بہت خوش ہوئے۔ غلام کو بلایا اور کہا کہ انھیں گھر لے چلو۔ غلام نے امام شافعی سے کہا "چلیے۔ امام صاحب غلام کے ساتھ ہوئے مسجد کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا ایک سجا ہوا خچر کھڑا ہے۔ غلام نے ان کو خچر پر بٹھا دیا۔ امام شافعی خود کہتے ہیں کہ میں پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ خچر پر بیٹھا تو بڑی شرم آئی۔ اس خچر پر جو مجھے دیکھتا وہ دیکھتا ہی

رہتا۔اس طرح امام شافعی امام محمد بن حسن کے محل کے پاس پہنچے۔غلام نے محل کے سامنے خچر سے اتارا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ امام محمد اس میں اتنے ٹھاٹھ سے رہتے ہیں تو امام شافعی رونے لگے۔ اتنے میں امام محمد آگئے انھوں نے کہا'' آپ افسوس نہ کریں۔ یہ محل میری حلال کمائی سے بنایا گیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ میں ہر سال زکوٰۃ نکالتا ہوں اس طرح کی چند باتیں کہہ کر امام شافعی کو اندر لے گئے۔ایک عمدہ جوڑا پہننے کے لیے پیش کیا۔امام شافعی نے نہادھو کر جوڑا پہنا۔پھر باتیں ہونے لگیں۔امام محمد بن حسن نے اپنی کتابیں دکھائیں اور کہا'' آپ جو کتاب چاہیں، لے کر پڑھ سکتے ہیں۔''

امام شافعی نے ایک کتاب لے لی کہ رات میں پڑھیں گے۔صبح کو امام محمد بن حسن کو معلوم ہوا کہ پوری کتاب امام شافعی نے زبانی یاد کرلی تو وہ دنگ رہ گئے کہ ایسا اچھا حافظہ اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان کو عطا فرمایا ہے۔

امام شافعی امام محمد کے یہاں بہت دنوں تک رہے۔یہیں ان کو ماں یاد آگئیں۔امام محمد سے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ یہ سن کر امام محمد نے اپنے گھر کی آدھی جائداد امام شافعی کے سامنے لا رکھی اور کہا کہ اس شرط کے ساتھ اجازت ملے گی کہ یہ سب قبول کرلو۔امام شافعی نے جواب دیا'' حضرت! میں روپیہ پیسہ کمانے گھر سے نہیں نکلا تھا۔میری ماں نے مجھے اپنے سے اس لیے جدا کیا کہ میں دین کا علم سیکھوں اور عالم بن کر ان کے پاس پہنچوں اور پھر اللہ کا دین پھیلاؤں پھر یہ کہ میں اتنی بڑی رقم لے کر کیا کروں۔''

امام محمد نے ضد کی کہ لینا ہوگی اور یہ ایک بڑے بھائی کی طرف سے چھوٹے بھائی کو تحفہ ہے۔لمبا سفر ہے، راستے میں کام آئے گا۔رقم امام شافعی کو لینا پڑی۔پھر وہاں سے چلے۔شہروں شہروں گھومتے ہوئے جہاں سنتے کہ کوئی عالم ہے اس کے پاس پہنچتے اور اس سے بھی کچھ نہ کچھ علم حاصل کرتے۔اب امام شافعی کی عمر اکیس سال کی ہوگئی۔

گھومتے گھومتے امام شافعی بغداد پہنچے۔اس وقت ہارون رشید بادشاہ تھا۔اس کو کسی طرح خبر ہوگئی کہ ایک نوجوان بغداد کی طرف آرہا ہے جو بہت بڑا عالم ہے اور وہ قریشی ہے۔تو

پھر جیسے ہی بغداد کے پھاٹک کے پاس پہنچے، ایک سپاہی نے بڑھ کر روکا۔ نام پوچھا۔ باپ کا نام پوچھا۔ خاندان پوچھا، امام شافعی نے پورا پتہ اسے بتادیا۔ اس سپاہی نے ایک نوٹ بک میں سب لکھ لیا اور چلا گیا۔ امام شافعی وہاں سے آگے بڑھے تو جامع مسجد میں پہنچے۔ مسجد ہی میں ایک کنارے پڑ کر سو رہے۔ آدھی رات کے وقت پولس نے چھاپا مارا۔ مسجد میں جو لوگ تھے گھبرا گئے۔ سپاہی ایک ایک آدمی کو روشنی میں دیکھنے لگے۔ امام شافعی کو دیکھا تو پکارے ''جس شخص کی تلاش تھی وہ مل گیا۔ اب کوئی گھبرائے نہیں۔''

امام شافعی سوچنے لگے کیوں پکڑا گیا۔ سپاہیوں نے کہا کہ ہارون رشید کے پاس جانا ہوگا۔ امام صاحب ساتھ ہوئے سپاہی شاہی محل میں لے گئے۔ ہارون رشید کے سامنے پیش کیا۔ وہ بڑے شاہانہ ٹھاٹھ سے تخت پر بیٹھا تھا۔ امام صاحب ذرا بھی نہ ڈرے۔ سامنے پہنچ کر کہا ''السلام علیکم۔''

ہارون رشید نے سلام کا جواب دیا۔ پھر پاس بیٹھالیا۔ نام اور پورا پتہ پوچھا۔ امام شافعی نے بتایا کہ مکہ کا رہنے والا ہوں قریش خاندان سے ہوں اور ہاشمی ہوں۔ ہارون رشید بھی قریش اور ہاشمی خاندان سے تھا۔ وہ باتیں کرنے لگا۔ امام صاحب کی باتیں سن کر وہ ان کے علم کا قائل ہوگیا۔ اس نے کہا'' میں آپ کو اپنے یہاں قاضی بنانا چاہتا ہوں آپ منظور کرلیں۔'' امام شافعی نے قاضی بننا منظور نہیں کیا اور انکار کردیا اور یہ سوچنے لگے کہ یہ بادشاہ مجھے اپنے بس میں کرنا چاہتا ہے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ یہاں سے جلد سے جلد فرصت مل جائے۔ ہارون رشید نے کہا '' اچھا تو پھر کوئی اور خواہش ہو تو میں پوری کردوں۔'' امام صاحب نے فرمایا'' میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد بغداد سے نکل جاؤں۔''

یہ سن کر ہارون رشید ہنس پڑا۔ ایک ہزار کی رقم پیش کی اور کہا کہ میرا قاعدہ ہے کہ جو مجھ سے ملتا ہے میں اسے تحفہ دیتا ہوں۔ امام شافعی نے تھیلی لے لی لیکن جب دروازے پر آئے تو سپاہیوں نے گھیر لیا کہ جو انعام ملا ہے اس میں سے ہمیں بھی دو۔ امام صاحب نے کہا کہ سب کو بلاؤ۔ سب سپاہی آئے سب میں برابر تقسیم کیا اور ایک حصہ خود رکھ لیا اور محل سے نکل آئے۔ باہر آکر پھر جامع مسجد میں جا بیٹھے۔ نماز کا وقت آیا تو ایک نوجوان نے نماز پڑھائی۔ اس نے کئی

غلطیاں کیں ایک غلطی ایسی کی کہ سجدہ سہو کرنا چاہیے تھا۔لیکن اس نے سجدہ سہو نہیں کیا۔امام صاحب نے اسے ٹوکا تو اس نے پھر سے نماز پڑھا دی۔

نماز کے بعد آپ نے اس سے کہا ''قلم دوات لے آؤ، میں تم کو نماز کے لیے مسئلے بتادوں تم لکھ لو'' وہ نوجوان قلم دوات اور کاغذ لے آیا امام شافعی نے بتانا شروع کیا تو شروع سے آخر تک نماز کے سارے مسئلے اسے لکھا دیے۔اچھی خاصی موٹی کتاب ہوگئی۔اس نوجوان کا نام زعفران تھا۔امام صاحب نے اس کتاب کا نام اس کے نام پر ''کتاب الزعفران'' رکھا۔

امام شافعی بغداد میں تین سال رہے۔ہارون رشید نے کسی نہ کسی طرح راضی کرلیا کہ وہ نجران کے تحصیل دار بن جائیں۔امام صاحب نے منظور کرلیا لیکن جلد ہی تحصیل داری چھوڑ دی۔کچھ ہی دنوں میں لوگ حج کے لیے جانے لگے تو کوفہ یاد آیا، امام ابو یوسف اور محمد بن حسن یاد آئے، امام مالک یاد آئے اور پھر ماں کی یاد ستانے لگی۔امام شافعی نے ہارون رشید کو استعفا بھیج دیا اور قافلہ والوں کے ساتھ حجاز کی طرف چل دیئے۔قافلے میں ایک شخص سے معلوم ہوا کہ اب امام مالک بہت مال دار ہوگئے ہیں بڑے ٹھاٹھ سے ایک بڑے محل میں رہتے ہیں۔امام شافعی نے یہ سنا تو سوچا کہ چل کر دیکھنا چاہیے۔مال داری میں خدا کی یاد کیسی ہے۔

راستے میں ایک شخص نے امام صاحب کو پہچانا تو ضد کرنے لگا کہ خرچ کرنے کے لیے ایک تھیلی لے لیں۔امام صاحب نے بہت منع کیا لیکن اس نے زبردستی دے ہی دی۔قافلے کے ساتھ ایک مقام پر پہنچے اس مقام کا نام تھا ''حران'' جمعہ کا دن تھا۔امام صاحب نے سوچا کہ حجامت بنوالینی چاہیے۔نہالینا چاہیے کہ یہ سنت ہے امام صاحب حمام پہنچے۔نائی سے کہا کہ سر مونڈ دے۔نائی آدھا سر مونڈ چکا تھا کہ اتنے میں ایک رئیس آگیا نائی امام صاحب کی حجامت چھوڑ کر اس کی حجامت بنانے لگا۔یہ بات امام صاحب کو پسند نہ آئی۔امام صاحب سمجھ گئے کہ ڈر اور لالچ کی وجہ سے نائی نے ایسا کیا ہے۔پھر جب نائی بال مونڈنے آیا تو آپ نے اسے روکا اور ملامت کی کہ مال کے لالچ میں تم نے ایک بندۂ خدا کو حقیر جانا۔اچھا لو، یہ رقم رکھو۔

یہ بات کچھ لوگ دیکھ رہے تھے انھوں نے امام صاحب سے کہا کہ یہ خوب رہی۔اس نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ اس کو اتنی بڑی رقم دے رہے ہیں۔یہ تو بڑی نادانی کی

بات ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حمام سے ایک دوسرا رئیس نکلا۔ اس نے امام صاحب کو دیکھا تو لپک کر پاس آ گھوڑے سے اترا اور لپٹ کر گلے لگ گیا۔

''تم کون ہو؟'' امام صاحب نے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا۔ آپ امام شافعی ہیں میرے ساتھ چلیے۔ امام صاحب اس کے ساتھ چلے۔ وہ اس شہر کے امیر کے پاس لے گیا۔ امیر نے بڑی عزت سے بٹھایا۔ دستر خوان چنا گیا۔ امام صاحب نے کہا'' جب تک یہ نہ بتایا جائے گا کہ آپ صاحبان نے مجھے کیسے پہچانا اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاؤں گا؟

رئیس نوجوان اور امیر شہر نے بتایا کہ جس وقت بغداد میں آپ نے ایک کتاب لکھی اور لوگوں کو سنانے لگے تو ہم نے بھی اس کا درس لیا۔ ہم آپ کے شاگرد ہیں۔ یہ سن کر امام صاحب نے دونوں کو گلے سے لگا لیا۔ امام صاحب تین دن حرّان میں رہے۔ امیر شہر نے آپ سے کہا ''حضرت! میرے پاس چار گاؤں ہیں اور چاروں بڑی آمدنی کے ہیں۔ میں چاہتا ہوں وہ چاروں گاؤں آپ لینا منظور کر لیں اور یہیں رہیں، امام صاحب نے گاؤں لینے سے انکار کر دیا تو امیر نے دیناروں کی چالیس تھیلیاں سامنے لا رکھیں اور بولا کہ اچھا آپ جاتے ہیں تو یہ رقم منظور فرمائیں۔ اور اس کے لیے وہ ضد کرنے لگا۔ مجبور ہو کر امام صاحب کو لینا پڑی۔

خدا کی بھی انوکھی حکمت ہے۔ جو شخص دولت کو ٹھوکر مارتا ہے اسے راہ چلتے دولت ملتی ہے اور جو دولت کی طرف دوڑتا ہے تو دولت اس سے دور بھاگتی ہے اور دنیا میں ذلیل کر دیتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پڑھنے سے صاف یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

امام صاحب حرّان سے نکلے تو راستے میں جس عالم سے ملاقات ہوئی اسے خوب دیا۔ غریبوں کو خوب بانٹا۔ اس طرح جب شہر رملہ میں پہنچے تو اس وقت امام صاحب کے پاس صرف دس دینار تھے۔ رملہ میں کرایہ پر سواری لی اور اپنے استاد حضرت امام مالکؒ سے ملنے مدینے کی طرف چل دیئے۔ مدینے پہنچے، مسجد نبوی گئے۔ عصر کی نماز پڑھی پھر امام مالک کو بڑے ٹھاٹھ سے آتے دیکھا۔ چار سو علماء آپ کے ساتھ تھے۔ چار آدمی آس پاس ان کے جبے کے دامن کو اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ ایک عمدہ کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔ آج امام مالک نے سب سے ایک مسئلہ پوچھا۔

کوئی نہ بتاسکا۔ امام شافعی کے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا۔ امام شافعی نے اسے جواب بتادیا۔ اس نے اٹھ کر بیان کر دیا۔ امام مالک نے کہا ”ٹھیک ہے، نوٹ کرلو۔“

امام مالک نے دوسرا مسئلہ پوچھا۔ امام شافعی نے پھر اسی شخص کو جواب بتادیا۔ یہ جواب بھی ٹھیک تھا۔ اب امام مالک جو مسئلہ پیش کرتے وہ آدمی امام شافعی کی طرف دیکھتا وہ جواب اسے بتادیتے وہ کھڑا ہو کر کہہ دیتا۔ امام مالک اس سے بہت خوش ہوئے۔ اسے پاس بلایا، نام پوچھا اور پوچھا کہ کس استاد سے پڑھا ہے اس نے جواب دیا کہ میں بالکل ان پڑھ ہوں۔ میرے پاس وہ نوجوان جو بیٹھا ہے، وہ مجھے بتایا کرتا تھا وہی میں کہہ دیتا تھا۔

امام مالک نے امام شافعی کو پاس بلایا۔ کچھ دیر تک دیکھتے رہے پھر پہچان لیا۔

”کیا آپ محمد بن ادریس شافعی ہیں؟“ امام مالک نے پوچھا۔ امام شافعی نے جواب دیا جی ہاں، میں آپ کا پرانا شاگرد ہوں۔ یہ سن کر امام مالک نے امام شافعی کو گلے سے لگا لیا۔ کرسی سے اتر گئے، نیچے بیٹھے اور کہا ”کرسی پر بیٹھیے اور جو مسئلے میں نے پوچھے ہیں وہ سب سمجھائیے“ امام شافعی نے استاد کے حکم سے اس دن کا درس پورا کیا۔ امام مالک بہت خوش ہوئے۔ پیٹھ ٹھونکی شاباشی دی اور ساتھ ہی بہت دعائیں بھی۔

مغرب کی نماز کے بعد امام مالک نے شاگرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور گھر چلے۔ امام مالک کا شاندار محل دیکھ کر امام شافعی رو پڑے۔ ان کے رونے سے امام مالک بھی اداس ہو گئے پھر فرمایا۔ شافعی! آپ روتے کیوں ہیں؟ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ میں نے یہ سب دنیا کے لیے جمع کیا ہے اور میں آخرت کے حساب کتاب کو بھول گیا ہوں۔

امام شافعی نے کہا ”جی ہاں، مجھے یہی اندیشہ اور ڈر ہے۔“

اب امام مالک نے بتایا کہ یہ سب مال جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ سب حلال کمائی کا ہے۔ میں ہر سال اس کی زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ میرے پاس دور دور سے علم کے شوقین تحفے بھیجتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تحفہ رد کر دینے سے منع فرمایا ہے اس لیے میں واپس نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر امام مالک نے وہ سارے تحفے دکھائے۔ تحفوں میں طرح طرح کے لباس، گھوڑے، خچر، دوسرا سامان اور

ہزاروں دینار تھے۔ امام مالک نے کہا کہ اس سارے مال میں سے آدھا آپ کا ہے۔ اس کے بعد آدھے سامان اور دیناروں کا کاغذ لکھ کر دے دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کے گھر تین دن ٹھہرے چوتھے دن وہاں سے چلے اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ گھوڑے، خچر، لباس کے جوڑے، غلّہ، درہم اور دینار ساتھ تھے۔ امام شافعیؒ جب گھر سے چلے تھے تو اس وقت ان کے پاس دو چادروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا آج وہ اس ٹھاٹھ سے مکہ شریف تشریف لے جا رہے تھے! ماں کو پہلے سے خط لکھ دیا تھا۔ وہ ان کے انتظار میں تھیں روز اپنی خالہ زاد بہنوں اور دوسری عورتوں کے ساتھ راستہ دیکھتیں۔

امام شافعی اس سامان کے ساتھ مکہ کے پاس پہنچے تو مکہ کے باہر ماں ملیں۔ ماں نے بڑھ کر بیٹے کو گلے سے لگالیا۔ وہ بہت خوش ہوئیں لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ماں اداس ہوگئیں۔ امام شافعی نے اداس ہونے کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگیں "بیٹا! میں نے تجھے علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا تو تو مال لے کر آیا ہے۔"

یہ سن کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفر کا پورا حال سنایا اور کہا کہ یہ سب امام مالکؒ نے دیا ہے۔ کہنے لگیں "بیٹا! دولت غرور پیدا کرتی ہے۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر بڑائی جتائے اور اس کو اپنے سے کم سمجھے۔

"تو حکم دیجیے کیا کروں۔ امام شافعی نے ماں سے پوچھا۔

"بیٹا خدا کی راہ میں خیرات کر دے اور خدا کے گھر میں (کعبہ میں) فقیر بن کر چل۔"

لیجیے، اعلان ہوگیا کہ بھوکے آئیں غلہ لے جائیں، ننگے آئیں کپڑے لے جائیں، غریب آئیں اور درہم و دینار لے جائیں۔ جسے جس چیز کی ضرورت ہو، آ کر لے جائیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسی جگہ سارا سامان خیرات کر دیا۔ اب جو چلے تو امام شافعی کے پاس ایک خچر اور پچاس دینار تھے اور کوئی فقیر نہ تھا۔ مکے میں داخل ہوئے۔ اچانک کوڑا ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔ ایک لونڈی پانی لیے جا رہی تھی۔ اس نے دیکھ لیا۔ اس نے کوڑا اٹھا کر دے دیا امام صاحب نے پانچ دینار اسے انعام دیے۔ ماں نے کہا۔ "بیٹا! کیا تیرے پاس یہی پانچ دینار تھے" جواب

دیا۔نہیں تو میرے پاس پچاس دینار تھے۔ پانچ اسے دے دیئے۔ باقی رکھ لیے۔آپ کے کام آئیں گے۔“

ماں نے پھر کہا ”ارے بیٹا! ان دیناروں پر اتنا بھروسہ اور وہ جو سب کچھ دینے والا ہے، اس خدا پر بھروسہ نہیں۔نکال سارے دینار اور دے اس لونڈی کو۔“

امام صاحب نے باقی دینار بھی اس لونڈی کو دیے اور اب گھر میں جب پہنچے تو خالی ہاتھ تھے۔امام شافعیؒ اور ماں کی یہ بات امام مالک نے سنی تو امام شافعی کو مبارک باد کہلا بھیجی اور یہ بھی کہلایا کہ آپ دین کا علم پھیلانے میں لگ جائیں۔ میں نے جو کچھ آپ کو دیا ہے وہ ہر سال آپ کو بھیجتا رہوں گا۔ان شاء اللہ۔

اس کے بعد امام مالک گیارہ برس زندہ رہے ہر سال اتنا ہی سامان بھیجتے رہے۔ امام مالک کے انتقال کے بعد روزگار کی تلاش ہوئی تو مکہ سے یمن پہنچے۔وہاں لوگوں کو حدیث کا درس ـــــ بھی دیتے، دین کی باتیں بتاتے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتے۔ امام شافعی یمن ہی میں تھے کہ ہارون رشید نے دربار میں طلب کیا۔آپ بغداد گئے۔ دو برس وہاں رہے۔اس کے بعد پھر شہروں شہروں گھومتے رہے۔آخر میں ”فسطاط“ کے مقام پر اپنی درس گاہ قائم کی اور وہیں درس دینے لگے۔

آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے امام ہوئے لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۲ برس کی عمر پائی۔عمر بھر دین کی تعلیم لوگوں کو دیتے رہے۔تھوڑی سی تجارت کر لیتے اس سے جو کماتے صبر وشکر کے ساتھ کھا لیتے۔اس طرح زندگی بسر کرتے ہوئے ۲۰۴ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔آپ کی بیوی کا نام عمدہ تھا اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پر پوتی تھیں اور بڑی ہی عالمہ فاضلہ بھی۔

امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے اور مشہور شاگرد ہیں۔ آپ اپنے زمانے میں قرآن وسنت کے سب سے بڑے امام مانے گئے۔ خود امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے بڑا عالم بغداد میں کسی کو نہیں پایا۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنے استاد کے بتائے ہوئے مسئلے بیان کیا کرتے تھے اور ان میں کہیں کہیں کچھ اپنی رائے شامل کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح امام صاحب کی الگ فقہ تیار ہوگئی اور عرب میں تقریباً پچاس لاکھ آدمی آپ کی فقہ پر عمل کرنے لگے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے باپ کا نام محمد اور دادا کا نام حنبل تھا۔ دادا ہی کے نام سے آپ مشہور ہوئے اور آگے چل کر احمد بن محمد کے بدلے احمد بن حنبل کہے جانے لگے اور اسی نام سے آپ کی فقہ ''فقۂ حنبلی'' مشہور ہوئی ۲۴۱ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور ۷۷ برس کی عمر پائی۔

امام صاحب ابھی بچے ہی تھے کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے وقت کچھ دوکانیں تھیں جو کرائے پر اٹھی ہوئی تھیں اور ان سے سترہ درہم (تقریباً چار روپیہ) ہر مہینے آمدنی ہو جاتی تھی۔ اتنی ہی آمدنی میں امام صاحب کی والدہ نے آپ کو پالا پوسا اور تعلیم بھی دلائی۔ امام صاحب کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں۔ انھوں نے بیٹے کو تعلیم کا شوق دلایا۔ والدہ صاحبہ نے سب سے پہلے آپ کو قرآن کا حافظ بنایا۔ امام صاحب نے سات برس کی عمر میں قرآن یاد کرلیا۔ اس کے بعد پڑھنا لکھنا سیکھا۔

امام صاحب نے بچپن میں لکھنا سیکھ لیا تو پردہ نشیں عورتوں کو ـــــ بڑی آسانی ہوگئی۔ بہت سی عورتوں کے شوہر فوج میں نوکر تھے۔ وہ آپ کو گھر میں بلاتیں اور ان سے خط لکھوایا کرتیں۔ امام صاحب ان عورتوں کی باتیں کسی سے بیان نہیں کرتے تھے۔ اس سے ساری عورتیں آپ کی بڑی قدر کرتی تھیں۔ راز کی باتیں ظاہر کر دینا آپ بہت برا سمجھتے تھے۔

امام صاحب کے رشتے کے ایک صاحب بغداد میں جاسوسی کے انسپکٹر تھے۔ وہ دن بھر کی خبریں خفیہ پولس کے افسر کو بھیجا کرتے تھے زیادہ تر خود دے آتے تھے۔ ایک بار کسی وجہ سے وہ نہ جا سکے تو بھتیجے کو بلایا اور کہا کہ یہ پلندہ افسر کو دے آؤ اور دیکھو کسی اور کو نہ دینا۔ امام صاحب تھے تو ابھی کم عمر ہی لیکن معلوم تھا کہ اس پلندے میں ایسے علماء کے بارے میں بھی خبریں ہوتی ہیں جو بڑے نیک اور اچھے لوگ ہیں اور جو خلیفہ کے غلط کاموں کے بارے میں لوگوں کو بتایا کرتے تھے اور ان سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ایسے علماء کی طرف سے خلیفہ ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔ چناں چہ جب امام صاحب پلندہ لے کر چلے تو راستے میں اسے دریا میں ڈال دیا اور لوٹ آئے۔ اس دن کی خبریں افسر خفیہ کو نہیں ملیں تو اس نے انسپکٹر سے جواب طلب کیا۔ انسپکٹر نے امام صاحب کو بلا کر پوچھا تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ میں نے وہ پلندہ دریا میں پھینک دیا۔ وجہ پوچھی تو بتایا کہ "اچھے لوگوں کا بھید کو کھولنا اللہ کو پسند نہیں۔" انسپکٹر نے یہی بات افسر خفیہ کو لکھ بھیجی۔ اس نے امام صاحب کو بلا کر پوچھا تو اس سے بھی یہی کہہ دیا۔ افسر نے بچہ سمجھ کر کچھ نہ کہا لیکن جو لوگ اس کم سن بچے کی ایسی عادتیں دیکھتے تھے وہ کہتے تھے۔

"اگر یہ بچہ زندہ رہا تو اپنے زمانے میں حجت ہوگا۔" حجت کا مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ بتائے گا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن میں بغداد میں بڑے بڑے امام موجود تھے۔ امام صاحب نے سات برس ان اماموں سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا۔ سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کے درس میں شریک ہوئے۔ بغداد کے اماموں سے دین کا علم حاصل کر کے بھی آپ کا جی نہ بھرا تو آپ نے دور دور کے ملکوں کا سفر کیا۔ جہاں سنا کہ کوئی بڑا عالم ہے اس کے پاس پہنچے

اور اس سے علم حاصل کیا۔ ۱۸۶ھ میں بصرہ گئے پھر کوفہ، مدینہ، شام، حجاز اور یمن کا سفر کیا ۱۸۶ھ میں امام شافعیؒ سے ملے۔ ان کا درس سنا۔ امام شافعیؒ کی تعلیم کا اثر آپ پر سب سے زیادہ ہوا۔ آپ نے انھی کی پیروی کی۔ بچپن ہی میں امام صاحب کے اندر ایک یہ خوبی پیدا ہوگئی تھی کہ چاہے بڑی سے بڑی ضرورت ہوتی لیکن اگر کوئی مفت کچھ رقم دیتا تو نہ لیتے۔ محنت مزدوری کر لیتے۔ کپڑا بننا جانتے تھے۔ موقع ملتا تو کپڑا بن کر کما لیتے۔ اسی میں گزر بسر کرتے۔ امام صاحب نے فارسی زبان بھی سیکھی تھی۔ آپ کے علم کی شہرت اسی وقت ہوگئی تھی جب آپ نے بغداد سے دوسرے شہروں کا سفر کیا۔ جس طرح آپ نے بڑے بڑے اماموں سے دین کا علم سیکھا اسی طرح آپ نے بڑے بڑے شاگرد چھوڑے۔ حدیث کے سب سے بڑے امام حضرت امام بخاریؒ بھی آپ کے شاگرد تھے۔ آخر میں امام صاحب بغداد تشریف لائے اور پھر عمر بھر بغداد ہی میں رہے اور دین کی باتیں پھیلاتے رہے، حدیث اور فقہ کا درس دیتے رہے۔

جان کی بازی لگادی

امام احمد بن حنبلؒ نے قرآن اور حدیث میں جو کچھ پڑھا اس پر ہر وقت عمل بھی کرتے تھے۔ کوئی ایک بات بھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کو ایک بڑے امتحان سے گزرنا پڑا۔ اللہ کے فضل سے امام صاحب اس امتحان میں پورے اترے۔ ہوا یہ کہ آپ کے زمانے میں جو بادشاہ تھا اسے کچھ لوگوں نے ایک مسئلے پر بہکا دیا۔ قرآن کے بارے میں ایک بڑی ہی غلط بات اسے سمجھا دی۔ بادشاہ کی سمجھ میں وہ بات آگئی تو اس نے حکم دیا کہ میری سلطنت میں جتنے عالم ہیں، سب اسی بات کو ٹھیک مانیں۔ یہ بھی حکم دیا کہ جو نہ مانے اسے قید کر کے راجدھانی میں بھیج دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔

جن عالموں نے بادشاہ کی بات نہ مانی ان میں سب سے زیادہ دین میں جمنے والے حضرت امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس وقت کے سب سے بڑے امام تھے اور آپ کے ماننے والے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ اگر امام صاحب مان لیں تو پھر سبھی مان لیں گے۔ لیکن امام صاحب نے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر تمھاری بات ٹھیک ہے تو قرآن اور حدیث سے ثابت کرو۔

بادشاہ اور اس کے طرف دار عالم قرآن وسنت سے تو ثابت نہ کر سکے ہاں زبردستی منوانا چاہا۔ بادشاہ زیادہ تر ایسے ہی مزاج کے ہوتے بھی ہیں۔ وہ اپنی غلط بات بھی دوسرے لوگوں سے منوانا چاہتے ہیں۔ خدا کا جو بندہ بادشاہوں کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے اس کی جان کو آجاتے ہیں۔ دوسرے اماموں کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وقت کے خلیفہ نے کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا۔ اب امام حنبل کی باری تھی۔ چناں چہ ان کے وقت کا بادشاہ ایک نہیں، ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا سب آپ کے دشمن ہو گئے۔ قید کرنے کا حکم دیا پھر اپنے سامنے ہر ایک نے دُرّوں سے پٹوایا۔ سب سے زیادہ ظلم خلیفہ واثق نے کیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اس نے اس طرح کوڑے لگوائے کہ اگر وہ کوڑے ہاتھی کے مارے جاتے" تو ہاتھی چیخ اٹھتا۔ لیکن امام صاحب ہر کوڑا اپڑنے پر پکارتے کہ" قرآن وسنت سے ثابت کرو تو مانوں گا ورنہ جان دے دوں گا مگر نہیں مانوں گا۔"

دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ ہر کوڑے پر آپ کے بدن کی کھال ادھڑ جاتی۔ ایک دن آپ پر کوڑے پڑنے لگے تو پہلے کوڑے پر آپ نے کہا" بسم اللّٰہ" دوسرا کوڑا پڑا تو پکارے "لاحول ولا قوۃ الاّ باللّٰہ" (اللہ کے سوا نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوت) تیسرے کوڑے کی چوٹ پڑی تو کہا" قرآن کا حکم دکھاؤ" چوتھے کوڑے پر پڑھا" لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" ہم پر جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے) یہ پڑھنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس پر راضی ہوں جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھ دی ہے۔

اس طرح ۲۹ کوڑے پڑے۔ تیسواں کوڑا آپ کے ازار بند پر پڑا تو ازار بند ٹوٹ گیا اور نیچے کھسکا۔ امام صاحب بڑے حیادار تھے۔ ننگے ہونے کے ڈر سے اللہ کو پکارا۔

"اے اللہ! اگر میں سچا ہوں تو مجھے ننگا ہونے سے بچالے۔" جیسے ہی آپ نے یہ دعا کی آپ کا ازار بند اوپر ہو گیا خلیفہ نے یہ دیکھا تو محل میں چلا گیا۔ ادھر سپاہیوں نے آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ ویسے تو روز روز کی تکلیفیں اور ظلم بغداد والے دیکھتے اور سنتے تھے لیکن اس دن رعایا

بگڑ گئی، بغاوت کردی اور جیل خانے پر دھاوا بول دیا۔ سب پکار رہے تھے کہ اگر امام صاحب مر گئے تو اس کا بدلہ بادشاہ سے لیا جائے گا۔

بادشاہ نے یہ سنا تو وہ بہت گھبرایا۔ ایک بڑے عالم کو بلایا۔ وہ عالم خلیفہ کا طرف دار تھا اور لوگ اسے بھی بہت مانتے تھے ـــــ اس کے ذریعے کہلوادیا کہ امام صاحب خیریت سے ہیں۔ تب رعایا واپس ہوئی۔

کسی نے امام صاحب سے پوچھا آپ کی دعا اتنی جلد قبول ہونے کی وجہ کیا تھی۔
''فرمایا میری سچائی، حلال روزی اور اللہ کے حضور میرے دل کی گڑگڑاہٹ۔''

اس طرح امام صاحب نے برسوں دکھ جھیلا۔ واثق کے بعد جب متوکل بادشاہ ہوا تو اس نے امام صاحب کو قید سے چھوڑا۔ متوکّل امام صاحب کا طرف دار تھا لیکن جب تک بادشاہ نہ ہوا تھا دم نہ مار سکتا تھا۔ متوکّل نے آپ کی بڑی عزت کی آپ پر دھن دولت کی ایسی بارش کی کہ امام صاحب گھبرا گئے۔ پکار اٹھے کہ اس کی یہ مہربانی میرے لیے کوڑوں سے زیادہ سخت ہے۔

یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس کی اس مہربانی کی مروّت میں کبھی اس کی کسی غلط بات کو ماننا پڑے۔

اللہ تعالیٰ امام صاحب اور آپ کے ماننے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہمیں بھی وہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی ہر امتحان میں پورے اتریں اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کریں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔